تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

10

14 تا 20 رجب المرجب 1441ھ / 10 تا 16 مارچ 2020ء

افغان باقی کہسار باقی
اَلْحُكْمُ لِلّٰهِ اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ

کیا چرخِ کج رو کیا مہر کیا ماہ ۔۔۔ سب راہرو ہیں وا ماندہ راہ!
کڑکا سکندر بجلی کی مانند ۔۔۔ تجھ کو خبر ہے اے مرگِ ناگاہ!
نادر نے لوٹی دلّی کی دولت ۔۔۔ اک ضربِ شمشیر! افسانہ کوتاہ!
افغان باقی! کہسار باقی! ۔۔۔ اَلْحُكْمُ لِلّٰهِ اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ!
حاجت سے مجبور مردانِ آزاد ۔۔۔ کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ!
محرم خودی سے جس دم ہوا فقر ۔۔۔ تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ!
قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش ۔۔۔ جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ!

ضربِ کلیم
علامہ اقبال

اس شمارے میں

اَلْحُكْمُ لِلّٰهِ اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ
تحریکوں میں جلدی بازی کا رجحان
اقامت دین کا فریضہ اور دینی جماعتیں
لا غالب الا اللہ!
اسلام کے خاندانی نظام پر مغرب کا حملہ
تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

انسان کو منتخب مٹی سے بنایا

الھدیٰ (893)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سُورۃُ المُؤمِنُون ﴿ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴾ آیات: 12، 3

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾
ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ﴿۱۳﴾

آیت ۱۲: ﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾﴾ ''ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصے سے۔''

تلوار کو نیام سے باہر کھینچنے کے عمل کو ''سَلَّ یَسُلُّ'' جبکہ نیام سے باہر نکلی ہوئی ننگی تلوار کو ''مَسۡلُوۡل'' کہا جاتا ہے۔ کسی بھی چیز کا اصل جوہر جو اس میں سے کشید کیا گیا ہو ''سُلَالَۃ'' کہلاتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو براہِ راست مٹی کے جوہر سے تخلیق کیا گیا اور پھر پوری نسل انسانی چونکہ ان کی اولاد تھی اس لیے اپنی تخلیق کے حوالے سے ہر انسان کو گویا اسی مادہ تخلیق یعنی مٹی سے نسبت ٹھہری۔ لیکن میرے نزدیک اس کی زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ مرد کے جسم میں بننے والا نطفہ دراصل مٹی سے کشید کیا ہوا جوہر ہے۔ اس لیے کہ انسان کو خوراک تو مٹی ہی سے حاصل ہوتی ہے' چاہے وہ معدنیات اور نباتات کی شکل میں اسے براہِ راست زمین سے ملے یا نباتات پر پلنے والے جانوروں سے حاصل ہو۔ اس خوراک کی صورت میں گارے اور مٹی کے جوہر کشید ہو کر انسانی جسم میں جاتے ہیں اور اس سے وہ نطفہ بنتا ہے جس سے بالآخر بچے کی تخلیق ممکن ہوتی ہے۔

آیت ۱۳: ﴿ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ﴿۱۳﴾﴾ ''پھر ہم نے اسے بوند کی شکل میں ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔''

رحم (uterus) کو ایک محفوظ ٹھکانہ قرار دیا گیا ہے' جس کی دیوار بہت مضبوط ہوتی ہے۔ نطفہ رحم مادر میں پہنچتا ہے اور بیضۂ انثی کے ساتھ مل کر fertilized ovum رحم کی دیوار کے اندر embed ہو جاتا ہے' گویا دفن ہو جاتا ہے جیسے بیج زمین کے اندر دفن ہو جاتا ہے۔

فرمان نبویؐ

دنیا کی زندگی ایک آزمائش ہے

عَنۡ اَبِیۡ سَعِیۡدٍ الۡخُدۡرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ((اِنَّ الدُّنۡیَا حُلۡوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسۡتَخۡلِفُکُمۡ فِیۡھَا فَیَنۡظُرُ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ فَاتَّقُوا الدُّنۡیَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتۡنَۃِ بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ کَانَتۡ فِی النِّسَاءِ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک دنیا شیریں اور ہری بھری چیز ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ پس! وہ دیکھ رہا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ پس! بچو دنیا (کی محبت) سے اور فتنۂ نسواں سے بچاؤ اختیار کرو کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں ہی کا تھا''۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے دنیا کو انسانوں کی آزمائش کے لیے مزین کیا۔ ہمیں یہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ یہاں دل لگانے اور دولت جمع کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اسی طرح عورتوں میں مردوں کے لیے کشش رکھی ہے۔ مرد عورت کی دلجوئی کی خاطر احکام دین سے روگردانی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان دونوں فتنوں سے محفوظ رکھیں۔ آمین

ادار یہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلۡحُکۡمُ لِلّٰہِ اَلۡمُلۡکُ لِلّٰہِ

ہم نہیں جانتے کہ مذہب بےزار بلکہ صحیح تر الفاظ میں اسلامی نظام کے قیام سے خوفزدہ لوگ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں یا تجاہل حقیقی کا شکار ہیں۔ جو امریکہ افغان طالبان معاہدے پر اس طرح کے استہزائیہ تبصرہ کر رہے ہیں کہ افغان طالبان نے دنیا کو اگر یہ گارنٹی ہی دینی تھی کہ افغانستان کی زمین کسی دوسرے ملک کے خلاف دہشت گردی کے لیے استعمال نہیں ہوگی تو پھر تقریباً دو دہائیوں پر مشتمل اس خونریزی کی کیا ضرورت تھی جس سے افغانستان تباہ و برباد ہوگیا۔ بہر حال ہم ریکارڈ کی درستگی کے لیے چند حقائق عرض کر دیتے ہیں وہ یہ کہ بیسویں صدی کے اختتامی پانچ سال افغانستان کی تاریخ کا ایسا سنہری دور ہے، ایسا قابل رشک دور ہے جس کا دنیا کا کوئی دوسرا ملک صرف تصور ہی کرسکتا ہے۔ افغانستان کی تمام جیلوں کی کل آبادی صرف تین افراد پر مشتمل تھی۔ افغانی روٹی کے بغیر گزارہ کرلیتا ہے اسلحے کو خود سے جدا نہیں کرپاتا۔ ملا عمر کی ایک اپیل پر تمام ملک کا اسلحہ حکومت کو سرنڈر کر دیا گیا۔ جرم کا ارتکاب قصہ پارینہ بن گیا۔ پوست کی پیداوار اور اس کی فروخت افغانیوں کی اکثریت کا پیشہ تھا۔ اس پیشہ کی جڑ کٹ گئی افغانستان ہیروئن سے پاک ہوگیا اور دنیا نے اسلام کے قرونِ اولیٰ کے دور کی دھندلی سی جھلک آج کے دور میں دیکھی۔

آئیے! پہلے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ امریکہ افغانستان میں آیا کیوں تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام کی آمد آمد نے افغانستان کی کایا پلٹ دی تھی۔ افغانستان میں اگر اسلامی نظام کا نفاذ پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا اور افغانستان کے مسلمان اُس کے ثمرات سمیٹنا شروع ہوجاتے تو اس انقلاب کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ کچھ دوسرے مسلمان ممالک اس کی پیروی کرتے اور یہ عادلانہ نظام سرمایہ دارانہ نظام کے استحصالی کردار کو بے نقاب کر دیتا۔ کون نہیں جانتا کہ سفید سامراج سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے دنیا بھر کا خون چوس رہا ہے۔ تو گویا امریکہ افغانستان میں اس کام کو سرانجام دینے آیا تھا جسے اپنے تئیں وہ nip the evil in the bud کے مصداق قرار دیتا ہے۔ مقصد سرمایہ دارانہ نظام کا تحفظ تھا۔ تاکہ تیسری دنیا کی گردن پر اس کا شکنجہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ آگے چلنے سے پہلے ہم دہشت گردی کی رٹ لگانے والوں کو یاد دلادیں کہ اس وقت دنیا کو دہشت گردی کے حوالے سے کسی بڑے مسئلہ کا سامنا نہیں تھا۔ اس لیے کہ جب تک سوویت یونین افغانستان میں موجود تھا، القاعدہ اور اسامہ بن لادن کے امریکہ کے ساتھ گہرے تعلقات تھے۔ یہ تعلقات سعودی عرب میں امریکی افواج کی آمد نے خراب کیے۔ اُسامہ امریکہ اور سعودی عرب دونوں سے ناراض ہوا۔

ہفت روزہ لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
14 تا 20 رجب المرجب 1441ھ جلد 29
10 تا 16 مارچ 2020ء شمارہ 10
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فریداللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
"دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 79-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 15 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 600 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ ایشیا افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ کینیڈا آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org
"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

افریقی ممالک کینیا کے دارالحکومت نیروبی اور تنزانیہ کے دارالحکومت دارالسلام میں امریکی سفارت خانوں پر حملے ہوئے جس کا الزام اُسامہ بن لادن پر لگا۔ امریکہ نے اُسامہ کو دہشت گرد قرار دے دیا اور باہمی تعلقات بگڑتے چلے گئے۔ جب نائن الیون ہوا تو امریکہ نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اور پہلے دن ہی اس کا الزام اُسامہ بن لادن پر لگا دیا اور افغانستان سے مطالبہ کیا کہ وہ نائن الیون کے حادثے کے اس بڑے ملزم کو اس کے حوالے کر دے۔ ملا عمر نے کہا کہ اگر ثبوت مل جائے کہ اسامہ واقعتاً اس دہشت گردی کا مرتکب ہوا ہے، صرف اس صورت میں اسے امریکہ کے حوالے کیا جاسکتا ہے۔ امریکہ نے ثبوت فراہم کرنے کی بجائے غنڈہ گردی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

یہاں ایک اہم واقعہ تاریخ کا حصہ ہے جس سے دنیا صرف نظر کر رہی ہے اور یہی نکتہ ثابت کرتا ہے کہ امریکہ کی نیت میں آغاز میں ہی فتور تھا اور وہ افغانستان پر قبضہ کرنے کے جھوٹے عذرات تراش رہا تھا۔ ندائے خلافت کے قارئین کو یاد ہوگا کہ ملا عمر نے ایک موقع پر فیصلہ کیا تھا کہ وہ افغانستان بھر کے علماء کا ایک اجلاس طلب کرتے ہیں ان سے شرعی بنیادوں پر فتویٰ لیتے ہیں کہ کیا شریعت کے نقطۂ نظر سے اُنہیں اپنے مہمان اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کر دینا چاہیے؟ ایک ہزار علماء جمع ہوئے۔ طویل مشاورت کے بعد انہوں نے ملا عمر کے سامنے ایک درمیانی راستہ رکھا۔ وہ یہ تھا کہ اُسامہ کو امریکہ کے حوالے تو نہ کیا جائے لیکن اُسے افغانستان سے بہرصورت نکال دیا جائے۔ جن کی یادداشت اچھی ہے اُنہیں یاد ہوگا کہ ملا عمر کو علماء کے اس دیے گئے مشورہ کے چند گھنٹوں بعد امریکی ترجمان نے وائٹ ہاؤس میں پریس کانفرنس کی اور بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔

اصل بات یہ تھی کہ امریکہ کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر ملا عمر نے اُسامہ کو افغانستان سے نکال دیا تو پھر افغانستان پر قبضہ کرنے کا ہمارے پاس کیا جواز رہ جائے گا؟ لہٰذا پریس کانفرنس میں کہا گیا کہ اگر اُسامہ کو افغانستان سے نکال بھی دیا گیا تو بھی کوئی فرق واقعہ نہیں ہوگا۔ اُس کا نیٹ ورک تو افغانستان میں موجود رہے گا لہٰذا امریکہ ہرصورت افغانستان جائے گا تاکہ اُسامہ کا نیٹ ورک تباہ و برباد کیا جائے۔ امریکہ کے افغانستان جانے کے درپردہ مقاصد میں سے ایک یہ بھی تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مشرقِ وسطیٰ خاص طور پر سعودی عرب سے بالآخر تیل وگیس کے ذخائر ختم ہو جائیں گے اور اس بے بہا دولت کا ایک ٹھکانہ وسطی ایشیا کے مسلمان ممالک بھی ہیں۔ اگر افغانستان روس اور چین سے اپنے تعلقات مستحکم کر لیتا ہے تو وسطی ایشیا کے یہ ذخائر افغانستان کے راستے چین اور روس تک پہنچ جائیں گے لہٰذا وسطی ایشیا کے وسائل کی لوٹ مار کے لیے افغانستان پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

امریکہ کے افغانستان پر قبضہ کی آخری اور شاید اہم ترین وجہ یہ تھی جسے جنرل حمید گل نے یہ کہہ کر واضح کر دیا تھا ”نائن الیون بہانہ، افغانستان ٹھکانہ اور پاکستان نشانہ“۔ ایک اسلامی ملک ایٹمی صلاحیت کا حامل ہو جائے یہ امریکہ اور اس کے سرپرست اسرائیل کو کسی طرح قبول نہیں تھا۔ لہٰذا پاکستان کی بغل میں بیٹھ کر اُس کی ایٹمی صلاحیت کو تباہ و برباد کرنا بھی ایک مقصد تھا۔ یہ نوٹ کرنا ہوگا کہ اِس کے ساتھ ساتھ ہی یہ عمل بھی شروع ہو گیا کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے جاندار ممالک کو یا تباہ و برباد کر دیا گیا جیسے عراق، لیبیا اور شام یا اُنھیں مجبور کر دیا گیا کہ وہ اسرائیل کے آگے سجدہ ریز ہو جائیں اور علاقے میں مسلمانوں کی بجائے اسرائیل کے مفادات کا تحفظ کرنا شروع کر دیں۔ جیسے مصر، اُردن اور سعودی عرب۔ امریکہ کا افغانستان میں براجمان ہو جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ چین، روس سمیت ایشیا کی ان تمام قوتوں پر نگاہ رکھی جائے اور اُن کا توڑ کیا جائے جو آنے والے وقت میں امریکہ کی عالمی شہنشاہیت کو چیلنج کر سکتی ہیں، اس لیے کہ مغربی یورپ نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد ہی دفاعی تحفظ کے لیے امریکی چھتری قبول کر لی تھی۔ سوویت یونین شکست و ریخت کا شکار ہوا تو مشرقی یورپ بھی قدموں میں آ گرا۔ معدنی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود افریقی ممالک صدیوں سے جان و جسم کا رشتہ برقرار رکھنے کی کوشش میں ہیں اور فوجی اور عسکری نقطۂ نظر سے اُن کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا یہ خطہ باقی بچتا ہے اگر یہ مکمل طور پر کنٹرول میں آ جائے تو امریکہ کو اپنے تئیں دنیا کا خدا بننے میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی تھی۔ لہٰذا امریکہ افغانستان میں کسی نوعیت کی دہشت گردی کی روک تھام کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ اِن منفی مقاصد کی تکمیل کے لیے اُس نے خود دہشت گردی کو بڑھاوا دیا تھا اور خود ہی میڈیا پر اِس کا ڈھول خوب پیٹا۔

اب آیئے اِس طرف کہ امریکہ افغانستان سے جانے کے لیے اُن لوگوں سے مذاکرات اور معاہدے پر دستخط کیوں کر رہا ہے جن کا نام بڑی نفرت اور حقارت سے لیتا ہے۔ فارسی کا ایک محاورہ ہے تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ۔ یعنی انسان اپنے مقاصد کے حصول کے لیے خوب تدبیریں کرتا ہے لیکن تقدیر

ہنس رہی ہوتی ہے اور ہوتا وہی ہے جو اللہ رب العزت چاہتا ہے۔ اُسے ہی تقدیر کہتے ہیں اُسے کوئی پلٹ نہیں سکتا اُسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ امریکہ واپس کیوں جا رہا ہے اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا کتنے تابوت اُٹھاتا، کتنے مفلوج سنبھالتا (جو زخمی ہونے کی وجہ سے ہو گئے تھے) واپس جانے والے فوجیوں کی کتنی خودکشیاں برداشت کرتا، کتنے پاگل خانے کھولتا، جہاں جنگی نفسیاتی مریضوں کا علاج کیا جاتا۔ عوام پر اور کتنے ٹیکس لگاتا تاکہ جنگی اخراجات کو پورا کیا جا سکے۔ سپریم پاور آف دی ارتھ کتنی دیر اپنی ذلت آمیز شکست کو چھپائے رکھتا۔

بہر حال امریکہ اور افغان طالبان کے درمیان معاہدہ ہو گیا اور صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ معاہدہ فاتح اور شکست خوردہ کے درمیان ہے اور لفاظی سے اس پر پردہ نہیں ڈالا جا سکے گا۔ مسلمانوں میں یہ بات یقینی سمجھی جا رہی ہے کہ امریکہ اِس معاہدے پر قائم نہیں رہے گا اور اپنی تاریخی روایت پر عمل کرتے ہوئے مکاری اور بددیانتی کا مظاہرہ کرے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ افغان طالبان نے جس طرح میدان جنگ میں نظری اور عملی لحاظ سے مکمل طور پر اللہ پر توکل کیا اور یہ جنگ جیتی۔ اُنھیں فتح کے بعد بھی اِسی توکل کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ کسی بھی صورت میں اُن کی طرف سے معاہدہ شکنی نہ ہو لیکن سر سے پاؤں تک چوکنے اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ دشمن پر نگاہ رکھیں اگر دشمن کھلم کھلا معاہدہ شکنی کرے تو معاہدہ اُن کے منہ پر دے ماریں اور جنگ کا محاذ پھر سنبھال لیں گویا امن کا خواہش مند رہیں لیکن جنگ کے لیے تیار رہیں۔

امریکہ کے پاس اب واپس جانے کے سوا کوئی آپشن نہیں۔ معاہدے کی چھوٹی موٹی خلاف ورزی برداشت کریں اور دشمن کو انتباہ کرتے رہیں۔ ٹرمپ کو اگلی ٹرم کے لیے صدر بننے کے لیے افغانستان سے نکلنا ہوگا۔ امریکہ کو ایک مرتبہ افغانستان سے نکلنے دیں پھر کبھی واپس نہیں آئے گا۔ بھارت اور اسرائیل کوئی نہ کوئی ایسی چال ضرور چلیں گے کہ امریکہ نہ نکلے اور یہاں کسی بڑی جنگ میں ملوث ہو جائے۔ اور اِس جنگ کی لپیٹ میں اُن کا مشترکہ دشمن پاکستان آ جائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انٹرا افغان مذاکرات میں بھی کامیابی کے لیے کٹھ پتلی افغان حکومت کو پہلے میدان میں زیر کرنا پڑے گا لیکن ہماری رائے میں افغان طالبان فوری طور پر جنگ میں اُن کے خلاف شدت نہ لائیں کسی عجلت پسندی کا مظاہرہ نہ کریں اِس جنگ کو امریکی افواج کے انخلاء کے پہلے مرحلے تک (یعنی 4½ ماہ کے لیے) Low Profile رکھیں۔ کہیں امریکہ کو خارجی عوامل اِس خطے میں مزید جنگ کی طرف دھکیل دینے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ افغان طالبان کو اب ثابت کرنا ہوگا کہ وہ صرف جنگجو نہیں ہیں وہ امن میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے افغانستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنا کر دکھائیں کہ وہ دشمنوں کو اگر ناکوں چنے چبوا سکتے ہیں تو دوستوں کے لیے بھی خیر کثیر کا باعث بن سکتے ہیں۔ وہ جنگ بھی جیت سکتے ہیں اور امن کے پیامبر بھی بن سکتے ہیں۔

آخر میں ہم اپنے اہل وطن پاکستانیوں کی خدمت میں عرض کریں گے کہ کیا آپ غور کرنا پسند فرمائیں گے کہ جب مسلمان اللہ پر توکل کرتا ہے اور حق کی راہ اختیار کرتا ہے تو اللہ اُس کی کیسے کیسے مدد فرماتا ہے۔ ہم جب قرآن پاک میں پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قومِ نوح علیہ السلام سے لے کر بنی اسرائیل تک جب مختلف قومیں انبیاء کے معجزے دیکھنے کے باوجود ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتی رہیں اور اُنھیں آنکھیں کھولنے کی توفیق نہ ہوئی۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ کتنی احمق اور اپنی دشمن تھیں وہ قومیں کہ آنکھوں دیکھے معجزات کو جھٹلاتی رہیں اور اپنی تباہی کو مقدر بنا لیا۔

آج مسلمانانِ پاکستان کو بھی اپنے گریبانوں میں جھانکنا ہوگا۔ اپنی ساتھ والی سرزمین پر اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا کہ امریکہ کی سرپرستی میں ساری دنیا نے ظاہری طور پر پسماندہ ترین اور کمزور ترین افغان قوم سے نہیں بلکہ صرف چند ہزار افغان طالبان سے کیسی عبرتناک اور ذلت آمیز شکست کھائی تو پھر اُنھیں خود سے سوال کرنا ہوگا کہ کیا وہ بھی پرانے زمانے کی اِن اقوام کی طرح ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں گے یا تسلیم کریں گے کہ اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ اَلْمُلْکُ لِلّٰہِ۔ مسلمان کا کام ہے باطل کے سامنے ڈٹ جائے اور اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔ یہی طرزِ عمل مسلمانوں کو دنیا میں سرفراز کرے گا اور آخرت میں سرخرو کرے گا۔

آج مسلمانانِ پاکستان ایک نوع کے پُلِ صراط پر گامزن ہیں۔ معمولی سی غلطی مکمل تباہی و بربادی کا باعث بن سکتی ہے یا اِس فتح سے سبق حاصل کر کے اللہ پر توکل کریں۔ باطل نظام کا تیا پانچہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں۔ ایسی صورت میں پاکستان دنیا کی سپریم پاور بھی بن سکتا ہے اور مسلمانانِ پاکستان آخرت میں جنت کو اپنا ٹھکانہ بھی بنا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنا کر دنیا اور آخرت کے انعامات سمیٹ لیں۔ آمین!

تحریکوں میں جلد بازی کا رجحان

سید قطب شہیدؒ

[اس مضمون میں انتخابی سیاست میں حصہ لینے کے حوالے سے اگرچہ مخالفانہ مؤقف میں شدت موجود ہے‘ لیکن پھر بھی اس میں تحریکی کارکنان کے لیے غور وفکر کا مؤثر مواد موجود ہے۔]

ایک بات جلد بازی کا شکار ہو جانے والوں سے اکثر سننے کو ملتی ہے: تربیت بہت ہو چکی‘ اب کچھ کرنے کا وقت ہے۔ یہ جملہ کہ ’’تربیت بہت ہو چکی‘ اب کچھ کرنے کا وقت ہے!‘‘ مختصر ہونے کے باوجود دو انتہائی خطرناک قضیوں پر مشتمل ہے‘ جن کا تعلق اسلام کے تحریکی اور دعوتی عمل سے ہے۔ یہ دونوں قضیے شدید طور پر وضاحت طلب ہیں:

پہلا قضیہ:

کیا واقعتاً تربیت بہت ہو چکی ہے؟ اور وہ کون سا معیار ہے جس سے ہم یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ تربیت جتنی ہونی چاہیے تھی وہ اب تک ہو چکی ہے یا ابھی مزید تربیت کی ضرورت ہے؟

دوسرا قضیہ:

کچھ کرنے سے ہمارے جلد باز لوگوں کی کیا مراد ہے؟

میں دوسرے قضیے سے ہی بات شروع کروں گا‘ کیونکہ اس کا واضح ہونا پہلے قضیے سے آسان تر ہے‘ اور اس لیے بھی کہ یہ کہنے والوں کے ذہن میں ایک متعین قضیہ ہے۔ جہاں تک پہلے قضیے (تربیت) کی بات ہے تو شاید وہ ان کے ذہن میں ابھی تک کوئی متعین شکل نہیں رکھتا۔

بنیادی طور پر یہاں دو قسم کے اندازِ فکر پائے جاتے ہیں‘ جن کی بنیاد پر دو قسم کے کام ہیں جو جلد بازی کا شکار ہو جانے والوں کے ذہن میں آتے ہیں۔ ایک اندازِ فکر نوجوانوں کا ہے اور دوسرا بزرگ اور عمر رسیدہ حضرات کا۔ جہاں تک نوجوانوں کا تعلق ہے جو کہ جذبات سے بھرے ہوتے ہیں اور خود کو جلد بازی پر مجبور پاتے ہیں تو ان کی سوچ اس بات کے گرد گھومتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح طاقت کا استعمال کر کے اقتدار تک پہنچا جائے اور قوم کی تربیت کا کام اقتدار سے مدد لے کر کیا جائے‘ نہ کہ دعوتی عمل کے ذریعے سے۔ دعوت کی راہ سے قوم کی تربیت ایک بے انتہا دشوار کام ہے اور اس کے لیے بے انتہا وقت درکار ہے۔ خصوصاً اس صورت حال میں کہ دشمن راستے میں ہر جگہ گھات لگائے بیٹھے ہیں‘ اسلامی تحریک کے لیے یہاں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں‘ اور جب بھی یہ اکٹھی ہونا چاہتی ہے تو دشمن قوتیں اسے تتر بتر کر کے رکھ دیتی ہیں۔

جہاں تک بزرگ اور عمر رسیدہ اصحاب ہیں‘ جو کہ ایک طویل سفر طے کر آتے ہیں اور اس راہ میں پے در پے بہت ضربیں سہہ آتے ہیں‘ ان کی سوچ کا محور ایک ایسی پُرامن دعوت ہے جو اربابِ اختیار کے ساتھ کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں نہ الجھتی ہو اور جس کی کوئی نہ کوئی ذیلی شاخ پارلیمان اور انتخابات کا راستہ اپنا کر رکھے اور یہاں کی سیاست پر اسی کے اندر سے اثر انداز ہونے کی کوشش کرے۔ یا کم از کم یہ کہ یہاں کے سیاسی اداروں کے اندر جا کر اسلام کی بات کرے‘ کیونکہ یہی ادارے اس وقت لوگوں کی زندگی پر اصل تاثیر رکھتے ہیں اور یہیں پر اٹھائی ہوئی آواز ان کے خیال میں لوگوں کو محسوس ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے تو ہم ان دونوں فریقوں کی بابت یہ گمان رکھیں گے کہ ان میں مکمل اخلاص پایا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ صرف اخلاص کافی نہیں ہوتا‘ اس کے ساتھ بصیرت ناگزیر ہے۔ بصیرت کی شرط پوری نہ ہو تو اخلاص کے شجر پر پھل نہیں آیا کرتا۔

ہم اس سے پہلے جو بات کر چکے ہیں اس کو یہاں پھر دہراتے ہیں۔ یہاں پر اگر کسی اسلامی قوت کو اقتدار مل جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے باہر سے کسی دشمن اسلام سے مدد ملنے کی توقع نہیں رکھنی چاہیے‘ نہ روس کا سہارا نہ امریکہ کا‘ نہ کسی صلیبی طاقت کا اور نہ صیہونیت کا۔ کفر کے پورے بلاک سے ظاہر ہے کہ اس اسلامی اقتدار کی کہیں سے کوئی ایسی پشت پناہی نہ ہو گی جیسا کہ ہمارے دیکھنے میں آج تک ایسے ہر انقلاب کو میسر آ جاتی رہی ہے جو کسی اشتراکی یا قومی مقصد کے لیے کسی ملک میں برپا کیا گیا اور جس سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اگر اور انقلاب کامیاب ہو جاتے رہے اور ان کی کہیں سے پشت پناہی ہو جاتی رہی تو پھر اسلامی انقلاب بھی اسی طرح کیوں کامیاب نہیں ہو سکتا! سو یہ بات طے ہے کہ اس مسلم اقتدار کو معاشرہ کے اندر سے ہی سہارا چاہیے ہو گا‘ مگر یہ سہارا یہاں کہاں ہے؟ کیا یہاں وہ مضبوط ایمانی جتھہ ہے جو معاشرے پر پوری طرح اثر انداز ہو سکتا ہو اور اسلام کے اقتدار کو پہلے قائم کرنے اور پھر قائم رکھنے کے لیے اتنے مضبوط سہارے کا معاشرے کے اندر سے ہی انتظام کر سکتا ہو‘ جس کے بغیر آج کے حالات میں اسلامی اقتدار کا وجود ممکن نہیں؟

چلیں ہم کچھ دیر کے لیے فرض کر لیتے ہیں کہ عالم اسلام کے کسی خطے میں جذباتی نوجوانوں کا کوئی گروہ ایسا کامیاب منصوبہ بنا لیتا ہے اور اس کی بنا پر انقلاب بھی لے آتا ہے اور اسلامی حکومت بھی قائم کر دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس انقلاب کو سہارا کہاں سے ملے گا؟ بطور مثال مصر ہی کو لے لیں۔ ہم اس کتاب میں مصر کے اسلامی تجربہ پر اس سے پہلے بھی بات کر چکے ہیں۔ اس وقت پورے عالم اسلام میں سب سے مضبوط اسلامی تحریک بلا شبہ مصر ہی میں پائی جاتی ہے‘ مگر کیا یہ تحریک بھی اپنی موجودہ حالت میں اسلامی اقتدار کو معاشرے کے اندر سے وہ مطلوبہ سہارا فراہم کر سکتی ہے اور کسی متوقع صلیبی‘ صیہونی جارحیت سے دفاع کرنے میں ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہو سکتی ہے؟ حتیٰ کہ ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ امریکہ براہِ راست کوئی حملہ کرنے نہیں آتا جس کی امریکی عزائم سے زیادہ تر توقع رکھنی چاہیے اور امریکہ اسرائیل کو بھی اس پر حملہ کرنے کے لیے نہیں اکساتا جس کا ہمیشہ اور ہر وقت ہی امکان ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا‘ بس صرف مصر کو گندم کی سپلائی بند ہو جاتی ہے!

مصر کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے کیا خیال ہے کہ مصری قوم اسلام کے اقتدار کے قائم رہنے کی خاطر آخری لمحے تک بھوک برداشت کرنے پر تیار ہو جائے گی؟ یا آپ کے خیال میں کچھ ہی دنوں بعد مظاہرے ہونے لگیں گے؟ اشتراکیت پسند‘ سیکولر اور لادین لوگ جب سڑکوں پر آئیں گے تو ان کے پیچھے بھوک کے مارے عوام بھی روٹی اور آزادی کے نعرے لگاتے نکل آئیں گے؟

حقیقت پسندی کے بغیر چارہ نہیں۔ یہ مانے

بغیر مفر نہیں کہ ایسی کوئی معاشرتی بنیاد ابھی موجود ہی نہیں جو اتنے مطلوبہ حجم کو پہنچ چکی ہو۔ جب تک معاشرے پر براہِ راست اثر انداز ہونے کا اتنا کافی انتظام نہیں کر لیا جاتا تب تک حصولِ اقتدار کے لیے کسی حکومت وغیرہ سے الجھنے کی کوئی بھی کوشش نری بے سود اور عبث ہے نہ کہ بصیرت اور دانشمندی کا تقاضا۔ اس کی ایک واضح ترین مثال حمات کا واقعہ ہے (حمات شام کا ایک شہر ہے جس میں اسلام پسند نوجوانوں نے حافظ الاسد کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی کوشش کی تو پورے شہر کو بلڈوزروں سے ملیا میٹ کر دیا گیا۔ ہمارے ہاں بھی مالاکنڈ ایجنسی میں خاصی چھوٹی سطح پر یہی کچھ ہوا' خاصی چھوٹی سطح سے مراد ہے کہ شام کے شہر حمات کی نسبت جو کہ قریب قریب کھنڈر بنا دیا گیا تھا۔ مترجم) یہ ایک ایسا نمونہ ہے جو کسی اسلامی تحریک کے غور وفکر کے لیے بہت کچھ اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کے مضمرات کا اندازہ کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ ہم اس وقت کہاں کھڑے ہیں اور ہمیں کس بے رحم دشمن سے پالا پڑا ہے۔ ایسا واقعہ کبھی بھی کسی بھی قیمت پر دہرایا نہیں جانے دینا چاہیے۔

اب اگر ہمارے جلد باز نوجوان یہ پوچھتے ہیں کہ یہ جس معاشرتی بنیاد کی آپ بات کرتے ہیں اور معاشرے پر براہِ راست اور بغیر اقتدار کے حاصل ہو سکنے والے گروہ کی ضرورت بیان کرتے ہیں' جب تک اس کی تعمیر نہیں ہوتی تب تک کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟ تب تک کچھ کیا ہی نہ جائے؟ تو ہمارا جواب ہوگا کہ یہ معاشرتی بنیاد' کوئی شک نہیں کہ آہستہ آہستہ ہی وجود میں آئے گی' لیکن ایک بار اس کی بنیاد پڑ جائے اور اس پر کام ہونے لگے تو یہ وسعت اختیار کرنے میں کچھ ایسی سست رو بھی نہ ہوگی۔ اس کی نشوونما ہونے لگے تو اس کو روکا نہیں جا سکتا۔ اس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بخود نوجوان آ آ کر شامل ہوتے رہیں گے' جن کو پہلے سے راستے کی مشکلات کا اندازہ ہوگا اور وہ راستے کی اذیت ناکیوں حتیٰ کہ موت تک کے لیے تیار ہو کر اس سے آ ملتے رہیں گے۔ ان کو یہ بھی بخوبی اندازہ ہوگا کہ یہ ایک طویل سفر ہے۔ پھر اس قافلے کی زندگی میں ایک دن ایسا آ جائے گا جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

جب یہ معاشرتی بنیاد مطلوبہ حد تک پختہ بھی ہو چکی ہوگی اور وسیع بھی' جب اس ایمانی جتھے کو کسی کے لیے مشن سے ہٹانا ممکن رہے گا اور نہ جھکانا' یہ عین وہ وقت ہوگا جب اللہ کی ایک طبعی سنت کے تحت معاشرے میں لوگ فوج در فوج اس جتھے میں شامل ہونے لگیں گے۔ تب دشمن اپنے آپ کو ایک ایسی صورتحال میں پائے گا جہاں اس کے سامنے تنہائی کا شکار کوئی محض ایک دینی جماعت نہیں' ایک پوری قوم ہوگی جو یک آواز ہو کر وہی شہادت دے رہی ہوگی اور وہی صدا بلند کر رہی ہوگی جو یہ ایمانی جتھہ اس سے پہلے بلند کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ تب کوئی ایک جماعت نہیں پوری قوم اس دعوت کے پیچھے کھڑی ہوگی۔ جب کوئی دعوت اتنا کچھ کر چکی ہوگی تب اللہ کی وہ مشیت بھی حرکت میں آئے گی کہ جس سے دنیا اللہ کی سنتوں اور اس کے طبعی قوانین کو عمل پذیر ہوتا دیکھ سکے اور یہی دن مؤمنوں کی خوشی کا دن ہوگا۔

یہ کہنا کہ اس معاشرتی بنیاد کے بننے تک نوجوان کیا فارغ بیٹھے رہیں اور کچھ نہ کریں؟ تو یہ بات اس لیے کہہ دی جاتی ہے کہ ایسا کہنے والوں کے ذہن میں کچھ کرنے کا ایک خاص معنیٰ اور تصور ہے اور یہی تصور نوجوانوں کی دلچسپیوں کا محور بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ کچھ کرنے کے لفظ سے ان کے ذہن میں سوائے ہتھیار اٹھانے اور دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے کچھ نہیں آتا۔ اس کے سوا ہر چیز ان کے خیال میں فارغ بیٹھ رہنے اور کچھ نہ کرنے کے مترادف ہے۔

ہم ان سے پوچھنا چاہیں گے کہ آخر یہ معاشرتی بنیاد بھی نوجوان نہیں تو پھر کون اٹھائے گا؟ یہ نوجوان اگر اُمت کی تعمیر کے عمل میں اپنی تمام تر صلاحیتیں کھپا رہے ہوں تو یہ فارغ کیسے سمجھ لیے جائیں گے؟ ایسے نوجوانوں کے بارے میں یہ تاثر کیونکر ذہن میں آتا ہے کہ وہ کچھ نہیں کر رہے؟ جلد باز نوجوانوں کے منہ سے یہ بات اس لیے نکل آتی ہے کہ ایک تو ان کو اس بات کا اندازہ ہی نہیں کرایا گیا کہ تربیتی عمل کی وسعتوں اور غایتوں کی حد کیا ہے اور پھر دوسرا اس لیے کہ تربیتی عمل کی غایت نہ جاننے کی وجہ سے وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ تربیت کا کام کر لیا گیا ہے اور اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اس سے اگلے مرحلے کو منتقل ہوا جائے جو کہ ہتھیار اٹھانا اور دشمن سے برسرِ پیکار ہونا ہے۔

جہاں تک دوسرے فریق' یعنی بزرگ حضرات کے منہج کا تعلق ہے تو ایک بات ہمارے ذہن میں رہنی چاہیے کہ ہمارے یہ بزرگ حضرات بھی اسی مرحلے سے گزر کر آئے ہیں جس سے اس وقت کے نوجوان گزر رہے ہیں۔ گویا یہ گزشتہ کل کے نوجوان ہیں جو آج کے نوجوانوں کی طرح اپنے دور میں یہی سمجھا کرتے تھے کہ بس ایک ضرب یا پے در پے چند ضربوں کی ضرورت ہے کہ سب طاغوت گھٹنے ٹیک دیں گے اور اسلام کی حکمرانی ہو جائے گی! بہت سے نوجوان تھے جو درمیان میں کہیں جھڑ گئے مگر ہمارے یہ بزرگ حضرات دراصل گزشتہ کل کے وہ نوجوان ہیں جو ابھی تک چل رہے ہیں اور درمیان میں کہیں ہٹ کر بیٹھ جانا ان کو گوارا نہیں تھا۔ یہ لوگ پیچھے نہیں ہٹے' البتہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ صرف دعوت دیتے چلے جانے کا راستہ بند ہو چکا ہے' سو اب راستے کو ذرا بدلنے اور آسان کرنے کی ضرورت ہے۔

اپنے طور پر ان کا اس انداز سے سوچنے کا ایک حد تک جواز بھی بنتا ہے۔ جوانی کے دور میں ان کو یہی سکھایا جاتا رہا تھا کہ باطل کو ہٹانے کے لیے بس ایک ضرب یا چند ضربیں لگانے کی ضرورت ہے' اس کے بعد دشمن شکست کھا کر میدان چھوڑ جائے گا اور اسلام کی جیت ہو جائے گی' بس چند سال کی بات ہے۔ مگر عملاً یہ ہوا کہ یکے بعد دیگرے جو ضرب لگی انہی کو لگتی رہی۔ ہر بار دشمن ہی میدان جیت کر جاتے رہے۔ ان کا کام یہاں ایک کے بعد ایک ہزیمت اٹھانا رہ گیا ہے اور قریب قریب راستہ ملنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ چنانچہ ان کے خیال میں کسی ایسے راستے کی تلاش ہونی چاہیے جو مسدود نہ ہو۔ اب جو راستہ ان کے خیال میں بند نہیں ہے' جس کی جانب ہم ماقبل اشارہ کر آئے ہیں' وہ ہے پارلیمنٹ اور انتخابات میں شمولیت کا راستہ اور ایوانوں کے اندر سے اسلام کی آواز اٹھانے کا منہج۔ کیونکہ اسلام کی بات سنی جانے کا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا۔

اب جس طرح ماقبل ہم جلد باز نوجوانوں سے ان کے اس منہج پر گفتگو کر آئے ہیں جو ہتھیار اٹھانے اور دشمن کے ساتھ جنگ کرنے پر یقین رکھتے ہیں اور اس گفتگو میں ہم واقعاتی صورتحال سے اور خصوصاً حمات (شام کا شہر) کے سانحہ کی روشنی میں اس امر کی نشاندہی کر آئے ہیں کہ ایک مطلوب اور معقول حد تک معاشرے پر براہِ راست اثر انداز ہونے کی صلاحیت سے جب تک پوری طرح لیس نہیں ہو لیا جاتا تب تک برسرِ اقتدار قوتوں سے الجھنا سراسر عبث اور بے سود ہے اور اس سے اسلام کے تحریکی عمل کے ہاتھ سوائے اس کے کچھ اور ہاتھ آنے کا نہیں جو سانحہ حمات میں ہوا۔ اسی طرح ہم جلد بازی کی راہ پر عمل پیرا بزرگوں سے بھی کچھ گفتگو کرنا چاہیں گے جو یہ سمجھتے ہیں

کہ اسلام کے تحریکی عمل کو آگے بڑھانا اب اسی پارلیمانی راستے سے ممکن ہے اور ایک یہی راستہ ایسا ہے جو آگے جا کر کہیں بند نہیں ہوتا اور اسی سے اہل اسلام کی امیدیں اور آرزوئیں روبۂ عمل میں آ سکتی ہیں۔ ان حضرات کو بھی ہم وہی بات کہیں گے کہ یہ راستہ بھی عبث ہے اور معاشرے پر اثر انداز ہونے کے عمل کو ایک خاص مطلوبہ سطح تک پہنچانے سے پہلے اس سے کچھ بھی برآمد نہیں ہو سکتا۔

ذرا دیر کے لیے چلیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں سو فیصد اسلام پسند اکثریت لے آنے میں کامیابی حاصل کر لی جاتی ہے اور پارلیمنٹ کے سب ارکان اللہ کی شریعت کا نفاذ چاہنے والے آ جاتے ہیں۔ اب اگر نیچے معاشرے پر اثر انداز ہونے والی وہ قوت نہ ہو جو کہ اسلامی اقتدار کے لیے اصل سہارا فراہم کرنے کے لیے ناگزیر ہے، ایسی کوئی معاشرتی اور تربیتی بنیاد جو اسلام کے اقتدار کو وجود میں لانے اور پھر برسرِ وجود رکھنے کے لیے ضروری ہے، اگر نہ ہو تو اس کے بغیر یہ پارلیمنٹ کیا کرے گی؟ ایک فوجی انقلاب پارلیمان کو برخاست کر کے اسلام پسند ارکانِ پارلیمان کو جیلوں میں ٹھونس دے اور سب کیا دھرا وہیں کا وہیں رہ جائے۔ کیا یہ ناممکن ہے؟

چاہے ایسا منہج اختیار کرنے کی کوئی بھی وجوہات ہوں مگر اس کی کامیابی کا خیال محض سادہ خیالی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں بہت سے شرعی نقصانات مضمر ہیں اور یہ اتنے بڑے بڑے نقصانات ہیں جو دعوت کے دل میں جا کر لگنے والے تیر کے مترادف ہیں اور باوجود اس کے کہ بظاہر یہ چیز دعوت کو ایک بڑا میدان ملنے اور اسے تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے میں مدد دیتی نظر آتی ہے، مگر حقیقت میں یہ دعوت ہی کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔

سب سے پہلا نقصان تو یہ ہے کہ یہ عقیدے کے ساتھ متعارض ہے۔ ایک مسلمان جسے اس کے دین کا حکم ہے کہ انسانی زندگی کے ہر مسئلہ کا فیصلہ صرف اور صرف اللہ کی شریعت سے کرائے، جسے اس کا دین بتائے کہ اللہ کی حکمرانی کے سوا حکمرانی کی ہر قسم جاہلیت ہے، اسے نہ تو قبول کرنا جائز ہے نہ اس پر رضامند ہونا اور نہ اس میں شریک ہونا۔ ایک ایسے مسلمان کے لیے آخر یہ کیونکر جائز ہوگا کہ وہ ایک ایسے ایوان میں شمولیت رکھے جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے بجائے خود قانون صادر کرنا اپنے لیے روا رکھتا ہے اور جو مجموعی طور پر اپنے عملی رویے سے ہر موقع پر بہانگ دہل یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ اسے ہر ہر معاملے میں اللہ سے فیصلہ کروانا قبول نہیں؟ اس کے لیے کیونکر جائز ہے کہ وہ ایسے ایوان میں شرکت کرے؟ کجا یہ کہ وہ اس سے حلف وفاداری اٹھائے، اس کی پاسداری کا عہد کرے اور اس دستور کا بھی حلف اٹھائے جس سے یہ ایوان اپنے وجود کے لیے وجہِ جواز حاصل کرتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ﴾ (النساء:140)

''اللہ تمہیں اس کتاب میں اس سے پہلے بھی یہ حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر ہو رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ یہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو۔''

جبکہ ان کا تو صبح شام کام ہی اللہ کی شریعت کے خلاف چلنا اور اس سے اعراض اور روگردانی کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اس ایوان کا اور کیا کام ہے جس میں ان کے مصروف ہونے کا آدمی انتظار کرے! ایسے میں ان کے ساتھ کس طرح بیٹھا جا سکتا ہے؟

وہ تمام عذر جو اس سلسلے میں بیان کیے جاتے ہیں کہ: ''ہم ان کو وہاں اسلام کی بات پہنچاتے ہیں''، ''ہم بار بار یہ واضح کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے سوا کوئی قانون سازی قبول نہیں''، ''ہم ایک باقاعدہ اور رسمی فورم پر جا کے بات کرنا چاہتے ہیں اور شریعت سے فیصلے کروانے کی دعوت دینے وہاں جاتے ہیں''، یہ سب کے سب عذر اس بات کے لیے وجہ جواز نہیں بنتے کہ یہ کام کرنے میں عقیدۂ توحید سے جو واضح تعارض لازم آتا ہے، اس کی اجازت نکل آئے۔ کہتے ہیں: ''کیا اللہ کے نبی ﷺ قریش کی مجلس (ندوہ) میں ان کو اللہ کا کلام پہنچانے کے لیے تشریف نہیں لے جایا کرتے تھے''؟ بالکل! اللہ کے نبی ﷺ ان کو اللہ کی پکڑ سے ڈرانے کے لیے ان کی مجلس میں تشریف لے جایا کرتے تھے مگر وہ ان کی مجلس کی رکنیت اختیار نہیں کرتے تھے!

ہاں آج بھی کوئی مسلمان جو اس بات کی دعوت دینا چاہتا ہے کہ انسانی زندگی کے سب فیصلے اللہ کی شریعت سے کروائے جائیں، ایسا کوئی موقع اگر پا لیتا ہے کہ اس دور کی جاہلیت کی ندوہ (مجلس) میں چلا جائے اور اس کو وہاں اپنی بات رکھنے کی کم از کم اس قدر اجازت مل جائے جتنی کہ پرانے دور کی جاہلیت رسول اللہ ﷺ کو اپنی مجلس میں بات کر لینے کی اجازت دے دیا کرتی تھی تو اس پر یقیناً واجب ہوگا کہ وہ وہاں جائے اور اللہ کا پیغام پہنچا کر آئے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اس ندوہ (ایوان) کا رکن اور باقاعدہ حصہ نہ ہوگا۔ یہ وہاں باہر سے آئے ہوئے بس ایک داعی کی حیثیت سے جائے گا۔ یہاں وہ یہ دعوت دے گا کہ جو اللہ کے ہاں سے اترا ہے یہ لوگ اس کے پیروکار بن جانے پر عمل پیرا ہوں۔ نہ تو ایوان کسی صورت اس کو اپنا حصہ جانے اور نہ وہ خود اپنے آپ کو اس کا رکن سمجھے۔ یہ ایک ایسا شخص ہوگا جو وہاں اپنے رب کی بات پہنچانے آیا تھا اور اپنا کام کر کے وہاں سے چل دیا۔ رہا یہ کہ اس ندوہ (ایوان) کی رکنیت اختیار کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کی جائے اور دلیل یہ ہو کہ اس سے حق کی بات پہنچانے کا موقع ملتا ہے، تو اس بات پر اللہ کے دین سے کوئی سند موجود نہیں۔

ہم ہر موقع پر عوام کو یہی بتاتے ہیں کہ ہر وہ نظام جو اللہ کی شریعت پر قائم نہیں، باطل ہے اور یہ کہ کسی ایسے نظام کو دنیا میں وجود رکھنے کا کوئی حق نہیں جو اللہ کی شریعت پر نہیں چلتا۔ پھر دوسری طرف یہی عوام دیکھتے ہیں کہ ہم اسی نظام کا جا کر حصہ بنتے ہیں جس کو ختم کر دینے کی ہم عوام میں ہر وقت بات کرتے ہیں! اس کا نتیجہ؟ اگر ہمیں اپنے لیے بالفرض ایسے دلائل مل بھی جاتے ہیں جس سے ہمارے لیے اس نظام کا حصہ بننا جائز ہو جائے تو جس نظام کو عوام میں ہم صبح شام باطل باطل کہتے ہیں تو آخر عوام سے یہ توقع کیسے رکھی جائے کہ وہ اس نظام کا حصہ نہ بنیں یا اس نظام کو اسی قدر برا جانیں جتنا کہ جاننا ضروری ہے اور جسے جانے بغیر وہ زوردار معاشرتی بنیاد اٹھائی ہی نہیں جا سکتی جو اس نظام کے خاتمے پر منتج ہو؟ آخر اس صورت میں معاشرے کی ذہنیت کا رخ سر تا پیر تبدیل کر دینے کا وہ کام کیسے مکمل ہوگا جس پر اسلام کے اقتدار کی اصل بنیاد رکھی جانا ہے؟ پورے کے پورے معاشرے کو ذہنی اور شعوری طور پر عزم و یقین کی اس سطح تک لے جانا جہاں اللہ کے حکم اور نظام کے سوا ہر جاہلی حکم اور نظام کا وجود مکمل طور پر ناقابل برداشت اور نفرت کی آخری حد کو پہنچ جائے، اس نظام کا حصہ بن جانے کے بعد کیسے ممکن رہ جاتا ہے؟

ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں شامل ہو کر ہم اسلام کی معاشرتی بنیاد اٹھانے کا کام آسان کرتے ہیں‘ کیونکہ اس طریقے سے ہم ملک کے ایک مقتدر فورم پر جا کر بات کریں گے اور لوگوں کے لیے اس کی صدائے بازگشت سننا آسان ہو جائے گا‘ لیکن حقیقت میں ہم اس معاشرتی تبدیلی اور اس معاشرتی بنیاد اٹھانے کے عمل کو کہیں مشکل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کا اس جاہلیت کے ساتھ ازل سے جو تنازعہ ہے کہ یہاں صرف اللہ کی چلے گی‘ یہ جھگڑا اور یہ تنازعہ کہیں بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ عوام کو ضرورت ہے کہ ان کے ذہن وتصور کے ہر گوشے میں اس باطل نظام کو بالکل ایک قطعی اور دوٹوک انداز میں مسترد کر دینے اور اسے آخری حد تک ناقابل برداشت سمجھنے کا رویہ پروان چڑھایا جائے۔ ہمارے ایوان میں جا بیٹھنے سے اب اس بات کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔

معاشرے پر اثر انداز ہونے اور معاشرے کا تمام تر رخ جاہلیت سے ہٹا کر اسلام اور اسلامی قیادت کی طرف موڑ دینے کا دشوار عمل اپنے اس مطلوبہ حجم کو پہنچ ہی نہیں سکتا‘ جہاں یہ اسلامی اقتدار کے لیے مضبوط اور حتمی سہارا بنے‘ جب تک عوام کے شعور میں اس حد تک پختگی نہ لائی جائے اور جب تک معاشرے کو اس معاملے میں یقین کی آخری حد تک نہ پہنچا لیا جائے کہ معاشرے پر اسلام کی جانب سے ازروئے عقیدہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر صرف اور صرف اللہ کا حکم قائم کروائے اور اس کے علاوہ اپنے اوپر کسی اور نظام کے وجود کا سوال تک باقی نہ رہنے دے۔ عوام کو اس نظام کے ساتھ ترکِ موالات میں اس حد تک آگے لے جانا ممکن ہی نہیں رہتا جب آپ خود اس کے اندر چلے جاتے ہیں۔

اس منہج کو اپنانے کا تیسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ سیاست کا یہ کھیل‘ جیسا کہ تجربات نے ثابت کر دیا ہے‘ ایک ایسا کھیل ہے جس میں کمزور کھایا جاتا ہے اور طاقتور اسے نگلتا ہے۔ اس میں کمزور کے لیے ایسا کوئی موقع نہیں رہنے دیا جاتا کہ وہ طاقتور کو کسی وقت غافل پا کر اور اس کی آنکھ بچا کر اس کے ہاتھ سے اقتدار لے جائے۔ سیاست کے اس کھیل میں حقیقت یہ ہے کہ ضعیفی اور طاقتوری کا ’حق اور باطل‘ کے مسئلے سے بالکل کوئی تعلق نہیں۔ حتیٰ کہ آپ یقین کریں گے کہ اس کا کثرت اور قلت سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ کتنی بار آپ دیکھتے ہیں کہ ان ملکوں میں کوئی بہت چھوٹا سا طبقہ جسے لوگ منہ لگانے کو بھی تیار نہیں ہوتے کبھی کبھار اس کا بھی یہاں نصیب جاگ اٹھتا ہے۔ ملک کے اندر عسکری قوت کا سہارا اور بیرونی سطح پر اس وقت کی عالمی شیطانی قوتوں میں سے کسی کی سرپرستی حاصل ہو جائے تو آپ دیکھیں گے کہ ایسا طبقہ بھی یہاں ناقابل تسخیر ہو جاتا ہے‘ چاہے معاشرے میں اس کی بالکل بھی جڑیں گہری نہ ہوں۔ دوسری طرف آپ دیکھیں گے کہ ایک بہت بڑا طبقہ بھی یہاں مجبور اور مقہور بنا ہوتا ہے چاہے ملک میں اس طبقے کی بہت بڑی اکثریت ہی کیوں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں وہ اسلامی جماعتیں جو اسلام کے دشمنوں کے بنائے اور چلائے ہوئے نظاموں میں جا کر حصہ لیتی ہیں‘ سیاست کے اس کھیل میں ہر بار ہی یہ جماعتیں خالی ہاتھ رہتی ہیں اور ہر بار ہی دشمنوں کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ وہ اس سے بے شمار فوائد سمیٹتے ہیں۔ ایک تو وہ عوام الناس کے سامنے اپنے نظام کی شہرت اچھی کرتے ہیں کہ اسلامی جماعتیں اس میں شامل ہوئیں یا ان کے ساتھ انتخابی تعاون یا اتحاد کرتی رہیں یا کسی اور پارلیمانی معاملے میں ان کے ساتھ باہمی اشتراک رکھتی رہیں۔ دوسرا وہ اسلام پسندوں کے اصل مسئلے اور ان کی اصل دعوت کو بے جان کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں‘ کیونکہ اس عمل کے نتیجے میں اسلام پسند اب پہلے کی طرح جاہلیت سے الگ تھلگ اور منفرد ومتمیز نظر نہیں آتے جیسا کہ سیاست کے اس کھیل میں شامل ہونے سے پہلے ان کی ایک خاص انفرادیت اور امتیاز ہوا کرتا تھا اور ان کا اس نظام میں الگ تھلگ رہنا ہر ایک کی نظروں میں آ جانے کا باعث تھا۔ تب لوگ اس سے یہ تاثر لیتے تھے کہ ان اسلام پسندوں کے پیش نظر ضرور کوئی بہت بڑا اور عظیم الشان مسئلہ ہے جسے یہ تمام تر پارلیمانوں اور ایوانوں سے زیادہ مقدس اور حرمت والا سمجھتے ہیں اور جس کے تحفظ کی خاطر ان کو جاہلیت کے ایوانوں میں قدم رکھنا تک گوارا نہیں۔ سب دیکھنے والوں کو یہ نظر آتا تھا کہ اسلام پسند اقتدار کی اس جنگ میں کوئی فریق بننے کے لیے تیار نہیں جس کے لیے دنیا پر مرنے والوں کی جان جاتی ہے۔ جس کے چند روزہ اقتدار پر جان دینے والے لوگ سب اخلاق‘ سب اقدار اور سب اسلامی روایات کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ تب لوگ اسلام پسندوں کی اپنے دل پر ایک ہیبت محسوس کیا کرتے تھے کہ یہ اس میدان سے اس لیے پرے ہیں کہ یہاں جاہلی شعائر کی صدا بلند ہوتی ہے اور اللہ کی شریعت کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

ایسا تو سیاست کے اس کھیل میں آج تک کبھی ایک بار بھی نہیں ہوا کہ کوئی کمزور طبقہ یہاں انتظامی امور کا مالک بن بیٹھا ہو اور اس طاقتور دشمن کا شروع کیا ہوا کھیل کسی کمزور نے جیت لیا ہو۔ پہیہ گھومتا ضرور ہے مگر پہیہ ہاتھ میں آ جانے سے گاڑی کا کنٹرول نہیں ملتا۔ ہاں جہاں سے گاڑی کے سب پرزے چلتے ہیں وہاں سے پہیوں کو بھی گھما لیا جاتا ہے۔ جہاں تک ان جزوی قسم کی اصلاحات کا تعلق ہے جو اسلام پسند زندگی کے چند ایک شعبوں کے اندر لے آنے میں کبھی کامیاب ہو جاتے ہیں تو جاہلیت کو وہ بھی برداشت نہیں ہوتیں اور آپ دیکھتے ہیں کہ کچھ ہی دیر بعد ان اصلاحات کا بھی وہ ستیاناس کر کے رکھ دیتی ہے۔ البتہ اسلام اور جاہلیت کے تنازع کو جو بے جان کر دیا گیا ہوتا ہے‘ اس کے منفی اثرات پوری طرح باقی رہتے ہیں۔ ان اثرات کو مٹانا پھر کبھی آسان نہیں رہتا۔ اب یہ اسلام اور جاہلیت کے باہم قریب آنے کا تاثر اتنا برا اور نقصان دہ ہے کہ جزوی اصلاحات اور تبدیلیوں کا جو کوئی بھی فائدہ اس نظام میں جا کر ہوتا ہے وہ اس بڑے نقصان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ قرآن پاک کی یہ بات اس پر ناقابل یقین حد تک پوری اترتی ہے:

﴿فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرۃ:219)

’’شراب اور جوئے میں بڑی خرابی ہے‘ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں‘ مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔‘‘

رہا یہ سوچنا کہ جاہلیت کو غافل پا کر اسلام پسند پارلیمان میں چپکے سے اقتدار کی سیڑھیاں چڑھتے جائیں گے اور حکمران طبقوں کی آنکھ بچا کر کسی دن اقتدار ہاتھ میں کر لیں گے اور یوں اسلام کی حکومت قائم ہو جائے گی تو اس اندازِ فکر کو سادہ خیالی کہہ دینے سے بھی اس کی پوری تصویر کشی ممکن نہیں۔ [الجزائر اور مصر میں جو کچھ ہوا‘ میں سمجھتا ہوں ہمارا یہ وہم دور کر دینے کے لیے وہ بہت کافی ہے۔ اس کے بعد بھی کسی کے ذہن میں کوئی ایسا وہم باقی ہے تو حقائق کی دنیا میں اس کی بہرحال کوئی گنجائش نہیں۔ ادارہ]

(ماخوذ از واقعنا المعاصر‘ ص436 تا 443)

مغرب کو خطرہ ہے کہ اسلامی نظام اپنی اصل شکل میں کہیں بھی سامنے آ گیا تو اس کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ نظام کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی: ایوب بیگ مرزا

علماء تو ورثۃ الانبیاء ہیں۔ انہیں تو سب سے زیادہ اقامت دین کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ اس کے بجائے مختلف مسلکی جماعتوں سے منسلک ہو کر اپنے اصل مشن کو بھلائے ہوئے ہیں: ڈاکٹر فرید احمد پراچہ

اقامت دین کا فریضہ اور دینی جماعتیں کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام ’’زمانہ گواہ ہے‘‘ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: آصف حمید

سوال: اقامت دین کا نظریہ کیا ہے؟ ہمارے معاشرے میں اس حوالے سے لوگوں کے تصورات کیا ہیں اور اقامت دین کے لیے آپ کا لائحہ عمل کیا ہے؟

فرید احمد پراچہ: قرآن مجید ازلی وابدی کتاب ہے، یہ متقین کے لیے سراپا ہدایت ہے، یہی صراط مستقیم ہے۔ قرآن اقامت دین کے حوالے سے ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ قرآن میں انبیاء ورسل کا مقصد بعثت یوں بیان کیا گیا ہے:

’’(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف کی ہے اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ قائم کرو دین کو۔‘‘ (الشوریٰ:13)

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت بھی بیان کیا گیا: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط﴾ (الفتح:28) ’’وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تا کہ وہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل نظام زندگی پر۔‘‘

اقامت دین کوئی ایسا نظریہ یا فلسفہ نہیں ہے جو کسی مفکر نے یا کسی جماعت یا تنظیم نے اپنے طور پر کوئی گھڑ لیا ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مسلمانوں سے بنیادی تقاضا ہے۔ ایک طرف دین کے بارے میں کہا گیا کہ:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف﴾ (آل عمران:19) ’’یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔‘‘

پھر اس کے بعد فرمایا کہ یہ دین مکمل ہے:

’’آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اِتمام فرما دیا ہے اپنی نعمت کا‘‘ (المائدہ:3)

اس کے بعد یہ حکم بھی قرآن میں موجود ہے کہ:

’’اے اہل ایمان! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔‘‘ (البقرہ:208)

اب اگر ہماری حکومت، سیاست، عدالت، معیشت، تجارت، معاشرت اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبے دین کے مطابق نہیں ہیں تو اس کو دین میں مکمل داخلہ تو نہیں کہا جائے گا۔ جیسے کسی عمارت کا سارا میٹریل باہر پڑا ہے تو اس کو عمارت تو نہیں کہیں گے جب تک کہ وہ سارا

مرتب: محمد رفیق چودھری

میٹریل لگا کر عمارت تعمیر نہ کر لی جائے۔ ہمارے نزدیک اقامت دین کا مفہوم یہی ہے کہ دین مکمل قائم ہونا چاہیے۔ اسی لیے مسلمانوں کو امت بنایا گیا، اسی لیے دین کو اجتماعی شان دی گئی۔ پھر نبی اکرم ﷺ کی یہ وہ سنت ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ باقی سنتوں پر فقہاء کا اختلاف ہے۔ لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک اسلامی ریاست قائم فرمائی اور پھر خلافت راشدہ اس کا ایک تسلسل ہے۔ اس حوالے سے ہمارا لائحہ عمل ذرا تفصیل طلب موضوع ہے لیکن میں مختصراً یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بنیادی بات یہ ہے کہ فکری اور ذہنی طور پر معاشرے کی تربیت کی جائے۔ یعنی لوگوں کی ذہن سازی کی جائے اور پھر معاشرے کے نیوکلیس یعنی پارلیمنٹ اور فوج کی بھی ذہن سازی ہو تا کہ وہ یہ سمجھیں کہ یہ فریضہ اللہ ورسول ﷺ کی طرف سے ہے لیکن ہم اس سے غافل ہیں۔

سوال: کچھ لوگ اقامت دین کی جدوجہد کے سلسلہ کو سیرت نبویؐ سے نہیں بلکہ موجودہ دور کی احیائی تحریکوں سے جوڑتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

فرید احمد پراچہ: اس کا تسلسل سیرت میں موجود ہے۔ اگر کوئی نہ ماننا چاہے تو اس کا علاج ناممکن ہے۔ جب خلافت راشدہ کے بعد اقامت دین کا نظام ملوکیت میں تبدیل ہوا تو اس وقت سے یہ مزاحمت چل رہی ہے، کیونکہ معاشرے نے اسے قبول نہیں کیا۔ حضرت علی ؓ کے دور میں جنگوں کی وجہ سے اس میں دباؤ زیادہ آیا ہے ورنہ اس کے بعد امام حسین ؓ نے اس کے لیے جدوجہد کی۔ پھر ہمارے چاروں آئمہ نے اس حوالے سے بڑی قربانیاں دیں۔ یعنی تمام آئمہ کرام اس فریضہ کی طرف ہی رہے ہیں۔ انہوں نے کوڑے کھائے حتیٰ کہ ان کے جنازے جیلوں سے نکلے۔ جب کچھ لوگوں نے کہا کہ (ھذا زمان سکوت وملازمت البیوت) ’’یہ تو گھروں میں بیٹھنے کا زمانہ ہے‘‘ تو انہوں نے اس کا مختصر جواب دیا کہ (ائیتونی شئیا من کتاب اللہ وسنۃ الرسول)۔ یعنی اس دور میں اقامت دین کی جدوجہد آئمہ نے کی۔ بعد میں مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے اس کے لیے بہت کام کیا اور اس کے خلاف ہونے والی کوششوں کا مقابلہ کیا۔ اس لحاظ سے اسلامی تحریک کسی دور میں نہ پیچھے ہٹی ہے، نہ مشن تبدیل ہوا ہے۔ البتہ اس کی شکلیں بدلتی رہی ہیں اور جدوجہد کا طریقہ بدلتا رہا ہے لیکن ہر دور میں، ہر علاقے میں اس کشمکش کا وجود رہا ہے۔ اقامت دین کو لوگوں نے چھوڑا نہیں ہے بلکہ مختلف جہتوں میں لوگ اس کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔

سوال: کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ اسلام اب دوبارہ عروج

نہیں حاصل کر پائے گا کیا ان کی یہ رائے درست ہے؟

ایوب بیگ مرزا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے قبل کل روئے ارضی پر اسلام بحیثیت دین قائم ہوگا اور یہ اسلام کا عالمی عروج ہوگا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ یہ حضور ﷺ کی پیشین گوئی ہے اور اس کے لیے ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان پتھر پر لکیر سے بڑھ کر ہے۔ جو آپ ﷺ نے فرما دیا وہ ہونا ہی ہونا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے یہود و نصاریٰ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود مغرب کیوں عالم اسلام کا دشمن بنا ہوا ہے؟ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ احادیث نبوی ﷺ میں کہا گیا ہے وہ سو فیصد سچ ہے، وہ اس پر ریسرچ کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام کے پاس ایک آئیڈیل نظام ہے اور وہ عادلانہ نظام ہے جو اپنی ایک قوت رکھتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس وقت دنیا پر سرمایہ دارانہ نظام پوری طرح غالب ہے۔ اس کے مقابلے میں کمیونزم بھی مٹ گیا لیکن اس کے باوجود مغرب اسلام سے کیوں خوفزدہ ہے؟ اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ایک استحصالی نظام ہے جبکہ اس کے مقابلے میں اسلام کا نظام عادلانہ ہے۔ اسلام عوام اور کمزور طبقہ کو جو حقوق دیتا ہے وہ کوئی اور نظام دے ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا مغرب کو خطرہ ہے کہ اسلامی نظام اپنی اصل شکل میں کہیں بھی سامنے آ گیا تو اس کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ نظام کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔

سوال: علماء اور مذہبی جماعتوں پر ''اقامت دین'' کے حوالے سے کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟

فرید احمد پراچہ: قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص﴾ (شوریٰ: 38) ''اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔''

مومنین کے معاملات باہم مشاورت سے طے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جابر سلطان کے سامنے بھی کلمۂ حق کہنے کو افضل جہاد کہا گیا۔ یعنی اسلام ڈکٹیٹرشپ کی مخالفت کرتا ہے۔ پھر قرآن میں یہ بھی وعدہ کیا گیا ہے کہ:

''اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا۔'' (النور: 55)

مومنین سے زمین میں خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ لیکن اگر علماء سے بھی یہ آیات پوشیدہ ہیں تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؏

سبب کچھ اور ہے جسے تو خود سمجھتا ہے

اصل میں وہ حکومتوں کے حاشیہ بردار رہنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی برسر اقتدار حکومت سے کچھ حصہ لے کر سمجھتے ہیں کہ شاید ہماری ذمہ داری پوری ہو گئی ہے۔ بعض کے نزدیک تو یہ خیال ہے کہ علماء پارلیمنٹ میں پہنچ جائیں تو اسلامی نظام نافذ ہو جائے گا۔ یعنی concept پورے طور پر واضح نہیں ہے ورنہ اقامت دین کی جدوجہد تو ہر مسلمان کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((من رای منکم منکر أفلیغیرہ بیدہ......)) (رواہ مسلم)

علماء تو ورثۃ الانبیاء ہیں۔ یعنی ان کا کام وہ ہے جو انبیاء نے کیا۔ انہیں تو سب سے زیادہ اس فریضہ پر لگ جانا چاہیے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اس کی بجائے مختلف جماعتوں کے ساتھ وابستہ ہو کر اپنے اصل مشن کو بھلائے ہوئے ہیں۔

> ساری مذہبی جماعتیں مانتی ہیں کہ اسلام ایک عادلانہ نظام ہے لیکن اگر وہ اس کے لیے جدوجہد نہیں کرتیں تو ظاہر ہے یہ نظام خود بخود ان کی جھولی میں نہیں گرے گا۔

سوال: کیا مذہبی جماعتوں کا مقصد پاکستان میں دین کے نظام کو قائم کرنا ہے؟

ایوب بیگ مرزا: پاکستان میں اکثریت مذہبی جماعتوں کی ہے۔ دین کو قائم کرنے کے لیے جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کام کر رہی ہیں وگرنہ جمعیت علماء اسلام کے کسی راہنما کی زبان سے آج تک یہ نہیں سنا گیا کہ دین کو قائم کرنا ہے۔ وہ اپنے مسلک کی حفاظت کے لیے لگے ہوئے ہیں یا اقتدار کی سیاست میں الجھے ہوئے ہیں اور مدرسے مذہبی تعلیم کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں ملک میں دین قائم کرنے کا کوئی تصور نہیں۔ اس کے علاوہ بھی کچھ جماعتیں ہوں گی جو دین کے لیے اور اسلام کے نظام کو قائم کرنے کے لیے کوشش کر رہی ہوں گی لیکن وہ سامنے نہیں آ رہی ہیں۔ جماعت اسلامی نے اس حوالے سے کافی جدوجہد کی ہے۔ تنظیم اسلامی نے بھی اس کے لیے کچھ کام کیا ہے۔ وہ اسلام کے عادلانہ نظام کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں تاکہ وہ نظام صرف کاغذوں میں نہ رہے بلکہ وہ قائم ہو تاکہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ البتہ ساری مذہبی جماعتیں مانتی ضرور ہیں کہ اسلام ایک عادلانہ نظام ہے لیکن اگر وہ اس کے لیے جدوجہد نہیں کرتیں تو ظاہر ہے وہ خود بخود ان کی جھولی میں نہیں گرے گا۔

فرید احمد پراچہ: دین ایک ہمہ گیر، ہمہ پہلو، ہمہ جہت اور مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے۔ جبکہ مذہب کے دائرے میں مسلک اور کچھ فرقہ بندی ہے۔ کچھ جماعتیں مقابر پرستی میں مصروف ہیں اور کچھ اکابر پرستی میں مصروف ہیں۔ البتہ ان جماعتوں نے جب متحد ہو کر کام کیا، بالخصوص جب ایم ایم اے قائم کی گئی، اس کا ایک منشور بنایا گیا جس میں جماعت اسلامی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ بنیادی حصہ ہی جماعت اسلامی کا تھا تو پھر ایک لحاظ سے دین کو قائم کرنے کا ہدف ان جماعتوں کے سامنے آیا۔ یعنی اس حوالے سے مذہبی جماعتیں ایک قدم آگے بڑھی ہیں۔ اگر ساری دینی و مذہبی جماعتیں مل کر یہ طے کر لیں کہ ہمیں دین کے قائم ہونے تک اپنی جدوجہد ہر صورت، ہر لیول پر کرنی ہے تو دین قائم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس معاشرے کے اندر اس کی طلب موجود ہے۔ یہاں جو سروے کروائے گئے ہیں ان کے مطابق 82 فیصد لوگوں نے کہا ہے کہ ہمیں اسلامی نظام چاہیے۔ گویا کہ یہ معاشرہ سیکولر نہیں ہے بلکہ اس میں دین کی طلب و تڑپ موجود ہے۔ لوگوں کو جتنا اسلام سمجھایا گیا ہے اس کے مطابق وہ دین پر عمل کر رہے ہیں۔ اگر ان کو درست سمت دکھائی جائے تو یہ کام ہو سکتا ہے۔

ایوب بیگ مرزا: میں مذہبی جماعتوں کو بالکل ہی رول آؤٹ نہیں کرتا۔ یقیناً بعض مذہبی جماعتوں نے بہت اچھا رول بھی ادا کیا ہے۔ اپنے اپنے لیول پر ہر مذہبی جماعت نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ جیسے ایک بچہ پہلے پرائمری میں پڑھتا ہے، پھر کالج جاتا ہے، پھر یونیورسٹی جاتا ہے۔ ہمارے ہاں تبلیغی جماعت کا کردار یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بری جگہوں سے نکال کر مسجد کی طرف لاتے ہیں۔ یہ ان کا بڑا اچھا رول ہے۔ البتہ ان کا اقامت دین کے لیے رول واضح نہیں ہے، ان کے مطابق جب سب لوگ نیک ہو جائیں گے تو دین خود بخود قائم ہو جائے گا۔ وہ لوگوں کو اچھائی کی طرف لاتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کراتے ہیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کی سب سے بڑی سنت جس کے لیے آپ ﷺ نے ایک لمحہ کا وقفہ نہیں کیا، وہ اقامت دین کی سنت ہے۔

سوال: کیا مذہبی جماعتوں کو اب دینی جماعتوں کا کردار ادا نہیں کرنا چاہیے؟

ایوب بیگ مرزا: یہ ان پر منحصر ہے کہ وہ اپنے لیے ترجیح اوّل کس شے کو دے رہے ہیں۔ اگر ان کے سامنے

ترجیح دین ہوگا تو پھر وہ اس کے لیے کوششیں کریں گے۔ لیکن اگر ان کی ترجیح ان کا مسلک ہوا تو وہ اسی کے لیے کام کریں گے۔ میں نے ایک نوجوان عالم دین سے پوچھا کہ آپ نے آٹھ سالہ درس نظامی کا کورس کیا تو آپ کو اصل چیز کیا حاصل ہوئی ہے؟ اس نے برملا اعتراف کیا کہ ہم نے ان آٹھ سالوں میں یہ سیکھا ہے کہ اپنے مسلک کو دانتوں سے پکڑلو۔ گویا مذہبی جماعتوں کی پہچان اور وجود ہی اپنے مسلک کی وجہ سے ہے۔ دین بیشتر کی ترجیح نہیں ہے۔

سوال: کیا قیام پاکستان کا مقصد اسلام کا نظام قائم کرنا نہیں تھا؟

فرید احمد پراچہ: قائد اعظم نے اپنی 102 تقاریر میں واضح طور پر اسلام کے نظام کو قائم کرنے کی بات کی ہے۔ یہ ان کے الفاظ تھے کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ان کے نزدیک محض ایک خطہ حاصل کرنا مقصد نہیں تھا بلکہ مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ یعنی قائداعظم کے سامنے یہ تصور بڑا واضح تھا۔ جبکہ علامہ اقبال کا پورا لٹریچر ہی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ بنگالیوں کی ہمارے ساتھ کون سی چیز ملتی تھی۔ زبان، کلچر، جغرافیہ، ہر چیز مختلف، ایک ہزار میل کا فاصلہ اور درمیان میں دشمن تھا لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے ساتھ مل گئے تو صرف ایک نظریہ کی بنیاد پر ملے ورنہ انہیں کیا ضرورت تھی کہ وہ مغربی پاکستان کے ساتھ ملتے۔ پھر مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کی علیحدگی بھی اس نظریہ کو ثابت کرتی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ ساری بحثیں اس وقت ختم ہو جاتی ہیں جب بانیان پاکستان نے قرارداد مقاصد پاس کردی اور مکمل طور پر بتا دیا کہ یہ ملک کس لیے قائم کیا گیا تھا۔ اب جو یہ بحث کرے گا چاہے وہ جسٹس منیر ہو یا کوئی اور سیکولر ہو وہ بدیانتی سے کام لے گا۔ پھر اس کے بعد 73 کا آئین بن گیا تو سب سوالوں کے جواب بھی آ گئے۔ اس کی آرٹیکل ٹو کلاز ہے کہ ریاستی مذہب اسلام ہے اور ریاست کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ لہٰذا ایسے سوالات صرف بدنیت ذہنوں کے سوالات ہیں۔ اصل میں یہ اس ملک کو اسلامی بنا نہیں سکے اس لیے اب اس طرح کے حیلے بہانے کر رہے ہیں۔ پھر جب یہ سوال اٹھا کہ یہاں کس کا اسلام نافذ ہوگا تو اس کا جواب 31 علماء کرام نے 22 نکات پر مشتمل چارٹر بنا کر دیا کہ اس کے مطابق اسلام یہاں نافذ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ کہنا کہ پاکستان اسلام کی بنیاد پر نہیں بنا تھا انتہائی بدنیتی پر مبنی بات ہے اور ایسی باتیں بھارت نواز طبقہ کرتا ہے۔

ایوب بیگ مرزا: ہمارے سیکولر حضرات قائداعظم کی 11 اگست والی تقریر پر بہت اچھلتے ہیں۔ لیکن 25 جنوری 1948ء کو قائداعظم نے کراچی کی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اسلامی اصول آج بھی ہماری زندگی کے لیے اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے قابل عمل تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ لوگوں کا ایک گروہ جان بوجھ کر فتنہ اندازی سے یہ بات کیوں پھیلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر مدوّن نہیں کیا جائے گا۔''

سوال: کیا پاکستان کی بقا اسلامی نظام کے نفاذ سے وابستہ ہے؟

ایوب بیگ مرزا: یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اور اس کا جواز اسلام سے ہی وابستہ ہے۔ اگر ہم اسلام کی طرف نہیں بڑھتے تو خود بخود ہماری بقا خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ دنیا میں ہر ملک کا کوئی نہ کوئی پس منظر ہوتا ہے جیسے مصر کے لیے اس کا بیک گراؤنڈ اس کی تاریخ ہے۔ کسی ملک کے لیے بیک گراؤنڈ جغرافیہ ہے۔ پاکستان کا جغرافیہ یوں بنا تھا جیسے کیک کاٹتے ہیں۔ یعنی اس خطے کو ایسے کاٹا گیا کہ ایک طرف پاکستان بن گیا دوسری طرف انڈیا بن گیا۔ 73 سال پہلے اس نام کا کوئی ملک دنیا میں نہیں تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پاکستانی قومیت کو بنیاد بنا کر پاکستان کو مضبوط کریں حالانکہ یہ بہت مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ ہم نے پاکستان بنایا ہی قومیت کی نفی کر کے تھا۔ قومیت کا مطالبہ کانگریس کی طرف سے تھا لیکن ہم نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ملک کا مطالبہ کیا تھا۔ اگر قومیت کا معاملہ ہو تو کیا سندھ ایک مکمل قومیت نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم خود اپنے ملک کے حصے بخرے ہونے کی بنیاد فراہم کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہاں تو پنجابی، سندھی، بلوچی، پٹھان سب قومیتیں ہیں۔ اس بنیاد پر یہاں اکٹھے رہنے کا جواز ہی نہیں بنتا۔ اسی لیے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے تھے کہ پاکستان کی بنیاد اسلام ہے اور اگر یہاں اسلام نہیں آیا تو پاکستان اپنا جواز کھو دے گا۔

سوال: پاکستان کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک کی بقا دین کے نفاذ کے ساتھ کیوں مشروط نہیں ہے؟

فرید احمد پراچہ: اس کی بہت سادہ مثال ہے کہ جیسے ایک عمارت صرف مسجد کے لیے بنائی جائے اور آس پاس مکانات بھی ہوں تو یہ کہا جائے کہ ان مکانات میں جوتے اتار کر نہیں جا سکتے لیکن مسجد کے لیے جوتے اتارنے کی شرط لگائی جاتی ہے۔ یہی فرق ہے۔ پاکستان بنا ہی مسجد کے لیے ہے۔ یہ اسلام کے نام پر کلمہ کے لیے بنا۔ 14 اگست 1947ء سے پہلے دنیا کے نقشے پر اس کا نام نہیں تھا۔ باقی شام، عراق، مصر وغیرہ تمام ممالک کی تاریخ ہے۔ البتہ اسلام کا نفاذ صرف ہم پر ہی لازم نہیں ہے بلکہ بحیثیت مسلمان سب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جہاں پر ہیں وہاں اسلام کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ جب 1970ء کے انتخابات ہو رہے تھے تو اس وقت مولانا مودودیؒ نے فرمایا تھا کہ اگر مشرقی اور مغربی پاکستان میں قومیتوں کی بنیاد پر ووٹ ڈالے گئے تو پھر اس ملک کو ٹوٹنے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ بعد میں اس کا نتیجہ سب نے دیکھ لیا۔ پاکستان کا قیام جغرافیہ کا نام بھی ہے اور نظریہ کا نام بھی ہے۔ بلکہ ہماری تکمیل پاکستان کی تحریک ابھی جاری ہے۔ جب تک عملی طور پر اسلام نافذ نہیں ہوگا اس وقت تک یہ نظریاتی جنگ رہے گی اور جب تک کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں بنے گا اس کا جغرافیہ مکمل نہیں ہوگا۔ مولانا مودودیؒ کے بقول ہم تو دیہاڑی کے مزدور ہیں۔ ہم کوشش کرتے رہیں گے باقی اللہ کی حکمت اور مشیت ہوگی کب یہاں اسلام کا نفاذ ہوتا ہے؟

سوال: پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام میں بڑی اور اصل رکاوٹ کیا ہے؟

ایوب بیگ مرزا: قیام پاکستان کے وقت پنڈت نہرو نے جب یہ اعلان کیا کہ ہم آزادی کے بعد جاگیرداری سسٹم ختم کر دیں گے تو سارے مسلم جاگیردار یہ سن کر مسلم لیگ میں آ گئے۔ چونکہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے پاس مال و دولت کی فراوانی تھی اس لیے ہر الیکشن میں ووٹ حاصل کرنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ لہٰذا وہی ہر بار اسمبلیوں میں آتے رہے۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے چونکہ مفادات ہوتے ہیں اس لیے ان کے راستے کی رکاوٹ اسلام بنتا ہے۔ اسلام تو انسانی مساوات کو عدل کی بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے تو پھر مقتدر طبقات اس کو کیسے قبول کریں گے؟ لہٰذا اسلام کے راستے میں پہلے جاگیردار طبقہ رکاوٹ بنتا تھا اور اب سرمایہ دار طبقہ بھی بہت بڑی رکاوٹ بن رہا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر اسلام آ گیا تو سٹاک ایکسچینج اس طرح کام نہیں کریں گے اور سودی نظام بھی ختم ہو جائے گا جبکہ سرمایہ دار کا سرمایہ بڑھتا ہی سود کے ذریعے ہے۔ اس کے علاوہ بیوروکریسی بھی اسلام کے

راستے میں رکاوٹ ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کی عیاشیاں ختم ہوجائیں گی۔

سوال: ''اقامت دین'' کا ہدف رکھنے والی جماعتیں اکٹھی کیوں نہیں ہوتیں؟

فرید احمد پراچہ: ان کا مقصد اور منزل ایک ہو تو ضرور اکٹھا ہونا چاہیے البتہ اگر طریقہ کار میں اختلاف ہو تو اس کو دور کیا جاسکتا ہے اور ان کو مل کر اقامت دین کے لیے کام کرنا چاہیے۔ لیکن چونکہ ہر ایک کے پاس اپنے پروگرام کی اہمیت ہے اور اپنی الگ حیثیت میں کافی وقت گزر چکا ہے اس لیے فاصلے پیدا ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر درمیان میں کوئی ایسا سسٹم بنایا جائے جیسے ایک لفظ کنفیڈریشن ہوتا ہے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا۔ قرآن کے مطابق

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى صلے﴾ (المائدہ:2)

''اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو''

اس طرح کا کوئی سسٹم بنایا جائے تو اس کے فوائد ہوں گے نقصانات نہیں ہوں گے۔

سوال: کیا ''اقامت دین'' کی جدوجہد کرنے والی جماعتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہیے؟

فرید احمد پراچہ: جماعت اسلامی نے ہمیشہ اس کے لیے کوشش کی ہے۔ ہم مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ لیکن کچھ تجربات ایسے ہوئے جن کی وجہ سے ہمارے ہاں ابھی ایک ٹھہراؤ سا ہے۔ لیکن جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کے درمیان کوئی بڑا کھچاؤ نہیں ہے۔ ایم ایم اے میں موجود جماعتوں کی اکثریت کا ہدف تو اسلام کا نفاذ ہی تھا کیونکہ اگر دستور اور منشور پر اکٹھے ہوگئے تو اب نیتوں کا معاملہ اللہ کے پاس ہے۔ بہر حال ان کوششوں کے فائدے بھی ہوتے ہیں اور کہیں نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔

ایوب بیگ مرزا: ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ دینی جماعتیں سب اپنا اپنا کام کریں اور قافلوں کی صورت میں ایک ہدف کی طرف بڑھیں اور وہ وقت ضرور آئے گا جب یہ قافلے ایک ہوجائیں گے۔ لہٰذا ایک دوسرے پر بے جا تنقید نہیں کرنی چاہیے۔

❁❁❁

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جاسکتی ہے۔

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(27 فروری تا 04 مارچ 2020ء)

☆ جمعرات (27 فروری) کو صبح 09:30 بجے دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی میں مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کی جو بعد نماز ظہر تک جاری رہا۔

☆ جمعہ (28 فروری) کو قرآن اکیڈمی میں مرکزی شعبہ نشر و اشاعت کے ذمہ داران کی مشاورت سے پریس ریلیز جاری کی۔ اسی روز بعد نماز جمعہ قرآن اکیڈمی میں ایک حبیب شاہد منیر، ان کے بھائی اور بچوں کے ساتھ ملاقات رہی۔

☆ ہفتہ (29 فروری) کو قرآن اکیڈمی میں تنظیمی امور نمٹائے۔

☆ اتوار (یکم مارچ) کو صبح 10:30 بجے قرآن آڈیٹوریم میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ایک سیمینار بعنوان ''اسلام کے خاندانی نظام پر مغرب کا حملہ'' کی صدارت کی اور اختتامی خطاب بھی فرمایا۔

☆ پیر (02 مارچ) کو قرآن اکیڈمی میں تنظیمی امور نمٹائے اور بعد نماز عصر تا مغرب نائب امیر سے ملاقات رہی۔

☆ منگل (03 مارچ) کو قرآن اکیڈمی میں تنظیمی امور نمٹائے۔

☆ بدھ (04 مارچ) کو قرآن اکیڈمی میں صبح 10:00 بجے تا 11:30 بجے نائب امیر اور ناظم نشر و اشاعت کے ساتھ تنظیمی امور نمٹائے۔

پریس ریلیز 06 مارچ 2020ء

امریکہ کے انخلاء کا معاہدہ افغان طالبان کی عظیم فتح ہے

حافظ عاکف سعید

تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے اپنے بیان میں افغان طالبان اور امریکہ امن معاہدے کو انتہائی خوش آئند قرار دیا اور اِسے طالبان کی فتح مبین قرار دیا۔ اُنھوں نے کہا کہ امریکہ 48 ممالک کے لاؤلشکر کے ساتھ افغانستان پر حملہ آور ہوا تھا مگر 19 سال کے طویل عرصے میں کوئی کامیابی حاصل نہ کرسکا۔ نتیجتاً افغان مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید سے امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کو ناکوں چنے چبوا دیے جس کے نتیجے میں امریکہ امن معاہدہ پر مجبور ہوا۔ میڈیا اسے امن معاہدہ قرار دے رہا ہے جبکہ درحقیقت یہ امریکہ کے ناجائز قبضے کے خاتمے کا معاہدہ ہے۔ امریکہ ایک دھوکے باز ملک ہے لہٰذا امن معاہدے کے باوجود افغان مجاہدین کو امریکہ سے ہمہ وقت چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ افغان مجاہدین اپنی مؤمنانہ فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے امریکہ کے مذموم عزائم کو خاک میں ملا دیں گے۔ ان شاءاللہ!

بھارت میں بگڑتے ہوئے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ دہلی میں مسلم نسل کشی کو ہندو مسلم فسادات کا نام دینا مودی سرکار کی پُرفریب پالیسی کا حصہ ہے۔ درحقیقت مسلمانوں کی یہ نسل کشی منظم و مسلح دہشت گرد وانتہا پسند ہندوگردی کی بدترین مثال ہے۔ پچاس سے زائد مسلمانوں کو ٹارگٹ کر کے قتل عام، سینکڑوں کی تعداد میں زخمی، مساجد کو شہید اور مسلمانوں کے گھروں کو مسمار کیا گیا۔ جس پر بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیمیں اور عالمی میڈیا بھی خاموش نہ رہ سکا۔ انڈونیشیا، پاکستان اور ایران نے انتہا پسند مودی حکومت کی مسلم کشی پالیسی کی مذمت کی ہے۔ اُنھوں نے مطالبہ کیا کہ تمام مسلمان ممالک مل کر بھارت کے خلاف تجارتی وسفارتی پابندیاں عائد کریں۔ ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان ملتِ واحدہ کی صورت اختیار کریں اور متحد ہوکر اپنے دشمن کا مقابلہ کریں لیکن اِس مقابلے سے پہلے اُنھیں حقیقی معنوں میں مسلمان ہونا ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہوسکے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی)

لا غالب الا اللہ!

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

ٹرمپ کا دورۂ بھارت حسب توقع 22 کروڑ مسلمانوں کے لیے فال بد ثابت ہوا۔ اس کی آمد پر شروع ہونے والا احتجاج بی جے پی کے جنونی جتھوں کے ہاتھوں فوراً ہی مسلم کش فرقہ وارانہ فسادات میں بدل گیا۔ نئی دہلی میں صورت حال انتہائی تشویشناک رخ اختیار کر گئی۔ پولیس کی موجودگی میں مسلح گروہ قتل و غارت گری، آتش زنی، تیزابی حملے کرتے رہے۔ پولیس نے بلوائیوں کی کارروائیاں یا دم سادھے دیکھیں یا بعض جگہوں پر خود بھی تعاون کے مرتکب پائے گئے۔ شہریت ترمیمی قانون پر پورے بھارت میں اٹھنے والی احتجاجی لہر بلاتفریق مذہب و نسل تھی۔ تاہم اس کا سارا غیظ و غضب دہلی کے مسلمانوں پر ٹوٹا۔ پتھر، تلواریں اور بندوقیں استعمال ہوئیں۔ گھر، دکانیں، تین مساجد، دو سکول، ایک مارکیٹ، ایک پٹرول پمپ جلا ڈالے گئے۔ 42 ہلاکتیں اور 200 زخمی ہو چکے۔ ٹرمپ سے پوچھا گیا تو بولا یہ بھارت کا (اندرونی) مسئلہ ہے۔ اور پینترا بدل کر فوراً ہی مودی کی تعریف شروع کر دی۔

دورے کا ابتدائی تاثر بھارت سے تجارتی معاملات پر اختلاف اور پاکستان کے لیے نرم گوشے کا تاثر دینے کے بعد ری پبلیکن ہاتھی نے کھانے کے دانت دکھانے شروع کر دیے۔ ''بغل میں چھری منہ میں رام رام'' جیسے کا عمل پورا کیا۔ (افغانستان کے تناظر میں) پاکستان کو تھوڑا سا مکھن کیا لگایا ہمارے ہاں داد و تحسین کے ڈونگرے برسنے لگ گئے! مگر ٹرمپ نے فوراً ہی اسلامی دہشت گردی اور انتہا پسندی کا پہاڑا پڑھنا شروع کر دیا۔ عزم فرمایا: ''ہم بھارت کو دنیا کے خطرناک ترین ہتھیار دیں گے''۔ کس کے خلاف؟ کیا ہم نہیں جانتے؟ بھارت کے ساتھ 3 ارب ڈالر کا دفاعی معاہدہ، حسب وعدہ جدید ترین مہلک جنگی ساز و سامان کا کیا گیا ہے جو خطے کا توازن بگاڑنے اور ہمارے لیے خطرات میں اضافے کا سبب ہے۔ یہ جو ٹرمپ کی بھارت میں موجودگی کے دوران نئی دہلی کا گجرات بنانے کی کارروائی ہوئی ملاحظہ فرمایے۔ کیا پاکستان ایسا کرنے کی جسارت کر سکتا تھا کہ ٹرمپ پاکستان میں ہوتا اور ہمارے ہاں ہندوؤں پر مسلم جتھے چھوڑ دیے جاتے؟ پوری دنیا میں طوفان کھڑا ہو جاتا!

بس اپنی اوقات اس آئینے میں دیکھ لینا کافی ہے۔ ہم دیوار سے لگے سارا وقت اقلیتوں کی خوشنودی حاصل کرنے، 97 فیصد مسلم اکثریت کے دینی تشخص کے در پے رہتے ہیں! پاکستان اقلیتوں کی جنت ہے اور اہل دین کے لیے زمین تنگ ہے۔ جہاں سکھوں کا گوردوارہ شب بھر میں جوش و جذبے سے بنا کھڑا کیا۔ مندروں کی تعمیر نو ترجیح اول بن گئی، وہاں آئے دن جلائی گئی لال مسجد خبروں میں رہتی ہے۔ جامعہ حفصہ کو 20 کنال زمین الاٹ کر دی گئی تھی۔ اس پر جب انتظامیہ 3 کروڑ تعمیرات میں خرچ کر چکی تو کئی سال بعد الاٹمنٹ منسوخ کر دی گئی۔ اس کے بدلے سات مرلے کا پلاٹ دینے کو کہا! این جی اوز اور نجی تعلیمی اداروں کو 20،20 کنال جہاں الاٹ ہوئے وہاں مدرسے مسجد پر زمین تنگ ہی رہی۔ نجی اداروں میں تو ناچنے نچانے والے گویے کے کھڑکی توڑ موسیقی کے شو ہوتے ہیں۔ مساجد و مدارس میں صحاح ستہ اور قرآن کی تعلیم سے انہیں دہشت گردی کی بو آتی ہے۔ ایف اے ٹی ایف کے ہاں ہمارا درجہ ''گرے'' اور سیاہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ہمارا کشکول خالی رہ جاتا ہے۔ سو ہمیں حکومت کی مجبوری سمجھنی چاہیے۔ بھارت تجارت کرتا ہے، ہمارا مال تجارت ''دہشت گرد'' اور ''انتہا پسند'' ہیں! گیس بجلی پانی ختم کر کے صنعتوں کا مکوٹھپ کر ہم نے معیشت کے سارے پلگ دہشت گردی کی جنگ سے جوڑ دیے۔ مشرف نے ابتدا کی تھی۔ اب ہم اسی کے وزراء کی ٹیم کے ساتھ انہی پالیسیوں پر مبنی دوسرے مشرف دور سے گزر رہے ہیں۔ ایک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو! (اگرچہ بھارت سے ''امن کی آشا'' دہلی میں جل کر بھسم ہو گئی!)

آزادی اب پاکستان کی نہیں، عورت کی آزادی، ثقافتی آزادی اور شتر بے مہاری ہوگی۔ 8 مارچ تو آ لینے دیں۔ یوم آزادیٔ نسواں! ایک سازش ہے فقط دین و مروّت کے خلاف! ہمارے خاندانی نظام، نسل اور نسب کی پاکیزگی اور تحفظ، عورت کے وقار، تقدس، عصمت و عفت پر کورونا سے بڑھ کر خوفناک حیا سوز وائرس کا حملہ ہے۔ پاکستان میں معاشرتی ماحولیات کو جو خطرہ درپیش ہے (جسے حکومت بھرپور بڑھاوا دے رہی ہے) اس سے خاندانی درجۂ حرارت بڑھ کر جتنا انتشار برپا کرے گا، اللہ رحم فرمائے۔

ادھر کورونا وائرس کا خوف کھائے جا رہا ہے۔ عالمی ادارۂ صحت اسے طبی ایمرجنسی قرار دے چکا ہے۔ ملک ملک وائرس سے سنسنا رہا ہے۔ اٹلی کی بیابان سنسان بستی کی تصویر شائع ہوئی۔ خلائی لباس اور ماسک پہنی تصاویر اور احتیاطی تدابیر کا دور دورہ ہے۔ مقام عبرت ہے۔ جس معاشی اور سائنس ٹیکنالوجی سے لیس سپر پاور کی ہیبت دنیا پر چھائی ہوئی تھی۔ چینی مسلمانوں پر جو بیتی، کسی میں اُف کرنے کا یارانہ تھا۔ اس پر ازخود نوٹس لینے والی سپریم طاقت کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں۔ نمرود کو تو پھر مہین مچھر بلا بن کر ڈس گیا۔ یہاں غیر مرئی، اللہ کے جنود کا وہ مہین ترین سپاہی جسے آنکھ دیکھنے سے بھی قاصر ہے، تاج پہنے (کورونا۔ تاجور!) کے آگے سائنس، ٹیکنالوجی اور مہلک ترین ہتھیاروں اور ایٹم بموں سے لیس قوت بے بس ہو گئی۔

دوسری طرف طالبانی عساکر ہیں جو اسی سائنسی بُتِ کافرادا کو منہ کے بل گرا کر ھو اللہ احد کہنے پر مجبور کر چکے۔ یہ تو اشرف المخلوقات کا ایک اعلیٰ و اشرف گروہ تھا۔ رہا کرونا! تو وہ وائرس کی انڈر ورلڈ کا مہین عسکری ہے جس کے مقابلے پر کمر بستگان کی دھوم دھام عبرت کے بے شمار اسباق لیے ہوئے ہے! کیسی کیسی جنگی مشقیں، ڈرلز اس کے مقابلے کے لیے ہو رہی ہیں۔ ہمیں فرعون یاد آ رہا تھا۔ کہاں تو موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑا رہا تھا ''میرے لیے پکی اینٹوں کا اونچا محل بناؤ، میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کا خدا تلاش کروں''۔ اور کہاں وہ بے بسی کہ پانی کی ایک ہی لہر نے ڈوبتے شاہ معظم کو خدا، شہ رگ سے قریب لمحے بھر میں دکھا دیا۔ جس وعدۂ الست کا گلا گھونٹے بیٹھا تھا وہ پکار اٹھا۔ کلمہ پڑھنے لگا کہ میں ایمان لایا بنی اسرائیل کے رب پر!

مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے، دنیا بھر میں فراعنہ و نمارود نے مل کر مسلمانوں پر قیامت ڈھا دی۔ میانمر سے بھارت، اسرائیل، روس، امریکہ نیٹو تک! پہلے ہم سزاوار ٹھہرے اپنی نااہلی اور بدعہدی کے۔ مالک نے اپنے کتے ناراض ہو کر ہم پر چھوڑ دیئے۔ مقصد وجود، مقصد حیات بھلا دینے پر۔ گائے بھی جب دودھ دینا چھوڑ دیتی ہے تو قصائی کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ سو ہم نے بھی

''حُبُ الدُّنیا و کراھیۃُ الموت'' میں مبتلا حق سے منہ موڑے دو دہائیاں گزار دیں۔ ملکوں ملکوں مغرب کے ٹوڈی، غنی، غلام صفت کٹھ پتلی اسلام بیزار حسنی مبارکوں کو برداشت کیا تو گندم کے ساتھ گھن بھی پسا۔ ہر جا ملتِ کفر نے درندگی کی انتہا کر دی۔ صرف سکائی لائن (افقی مناظر) شام کے دیکھ لیجیے۔ (احادیث کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا مرکز اور سیدنا مہدی کی فوج کا ہیڈ کوارٹر)۔ اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اسے اوباما نے شروع کیا تھا، تقسیم کار کے تحت مسلمان کچلنے کا ٹھیکا پوٹن کے حوالے کر دیا۔ بی بی سی کے مطابق 103 ممالک سے مسلمان مجاہد وہاں ایمان و کفر کے آخری آخری معرکوں میں نبی ﷺ کی بشارتیں پانے کو لڑ رہے ہیں! تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں۔ باقی امت بنی اسرائیل کے نقش قدم پر گوہ کے بل میں شناخت گم کردہ گھسی بیٹھی ہے!

جہاد فی سبیل الدجال ساری کافر دنیا پر دو دہائیوں سے فرض عین ہے! ہم تو کشمیر، فلسطین، اراکان، شام میں قیامت کے باوجود دفاعی جہاد پر بھی زبان کھولتے لرزاں و ترساں ہیں۔ نرم بیانیوں پر کمربستہ ہیں۔ کورونا حال پوچھنے تو آئے گا! ویزے، پاسپورٹ کا محتاج نہیں۔ شہباز شریف نے ڈینگی کے خلاف جہاد کیا تھا۔ عمران خان، بزدار کورونا کے خلاف جہاد کریں گے۔ طالبان نے بہرحال امریکہ کے خلاف جہاد کر کے فتح پائی! فکر ہر کس بقدر ہمت اوست! امریکہ نے ''لازوال آزادی'' کے عنوان سے افغانستان پر حملہ کیا تھا 49 ہائی ٹیک ممالک کی فوجوں کے ساتھ۔ جمہوریت دلانے، طالبان کا خاتمہ کرنے، عورت کو آزادی مارچ کی منزل تک پہنچانے اور افغانستان پر مضبوط چوکی بنا کر علاقائی بالادستی قائم کرنے کو۔ دو دہائی میں جمہوریت زدہ افغانستان کے الیکشن کا نتیجہ پانچ مہینے لگا کر سسکتا، لرزتا اشرف غنی اور عبداللہ عبداللہ کے مابین لڑتا جھگڑتا سامنے آیا ہے! مضبوط چوکی تو کیا بنتی، باعزت انخلا مل جائے، ''جان بچی سو لاکھوں پائے'' کہتے نکل جائیں تو غنیمت ہے۔ ٹرمپ کا انتخابی وعدہ ہے! رہے طالبان تو 70 فیصد افغانستان ان کے زیر اثر آچکا۔ آخری مشن ''الفتح'' کے نام سے موسوم نیک شگون ہے۔ امریکی ''لازوال آزادی'' کے چکنا چور مشن کی قبر پر کتبہ لگانے کی تیاری ہے۔ فروری 1989ء میں روسی فوج کے انخلاء کے بعد دوسرے سپر پاور کو فروری 2020ء میں اسی انجام کا سامنا ہے۔ لا غالب الا اللہ! و العظمۃ للہ!

ان شاء اللہ

تنظیم اسلامی کے فاضلین درسِ نظامی کا خصوصی اجتماع

22 تا 24 مارچ 2020ء (بروز اتوار عصر تا بروز منگل ظہر)

بمقام: دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، ملتان روڈ (چوہنگ) لاہور

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

رابطہ: 0321-4369865

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: (042)36316638-36366638

رفقاء متوجہ ہوں

''قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی'' میں

20 تا 22 مارچ 2020ء (بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

مبتدی وملتزم نظریاتی ریفریشر کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے

1- جن رفقاء کو ملتزم تربیتی کورس مکمل کئے ہوئے پانچ سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے، ان کی نظریاتی ریفریشر کورس میں شرکت ترجیحی بنیادوں پر مطلوب ہوگی جبکہ مبتدی نظریاتی ریفریشر کورس میں مبتدی نصاب کا مطالعہ نہ کرنے والے رفقاء کی شرکت ترجیحی بنیادوں پر مطلوب ہوگی۔ البتہ امیر حلقہ کی اجازت سے احباب بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

2- اس کورس سے جو مبتدی/ ملتزم رفقاء گزریں گے ان کے مبتدی/ ملتزم نصاب کا مطالعہ/ سماعت مکمل متصور ہوگی۔

3- جو رفقاء اس کورس میں جزوی شرکت کریں گے وہ جس قدر نظریاتی ریفریشر کورس کے نصاب/ موضوعات سے گزریں گے، اس کے بقدر مبتدی/ ملتزم نصاب کے موضوعات کا مطالعہ/ سماعت مکمل متصور ہوگی۔

4- اس کورس میں وہ مبتدی/ ملتزم رفقاء بھی شامل ہوسکیں گے جنہوں نے ابھی مبتدی/ ملتزم تربیتی کورس نہ کیا ہو۔ البتہ نظریاتی ریفریشر کورس میں شرکت رفیق کو مبتدی/ ملتزم تربیتی کورس سے مستثنیٰ نہیں کرے گی اور مبتدی/ ملتزم تربیتی کورس اسے بہرحال کرنا لازم ہوگا۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

نوٹ مذکورہ بالا کورس 7 تا 9 اگست 2020ء، دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، لاہور میں اور 2 تا 4 اکتوبر 2020ء اسلام آباد میں بھی ان شاء اللہ منعقد ہوگا۔ لہٰذا رفقاء حسبِ سہولت شرکت کا اہتمام کریں۔

برائے رابطہ: 021-34306041 / 0334-3242523

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: (042)35473375-79

سیمینار: اسلام کے خاندانی نظام پر مغرب کا حملہ

رپورٹ: احمد علی محمودی

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام ''اسلام کے خاندانی نظام پر مغرب کا حملہ'' کے عنوان سے ایک سیمینار یکم مارچ 2020ء کو قرآن آڈیٹوریم، لاہور میں زیر صدارت امیر تنظیم اسلامی پاکستان جناب حافظ عاکف سعید منعقد ہوا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب ڈاکٹر عطاء الرحمٰن عارف نے ادا کیے۔ سیمینار میں رفقاء و احباب کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، جس کی سعادت جناب قاری تنویر احمد نے حاصل کی۔ اس کے بعد جناب سید محمد کلیم شاہ نے نعتِ رسول مقبول ﷺ اور کلام اقبال پیش کیا، سیمینار سے مقررین نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا، اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

حافظ عاکف سعید: (امیر تنظیم اسلامی پاکستان) مغرب کا ہمارے معاشرتی نظام پر حملہ ہمارے ایمان پر حملہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: حیاداری ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ اس ارشادِ گرامی کا مفہوم یہ ہے کہ حیا اور ایمان لازم وملزوم ہیں، اگر حیا نہ رہی تو ایمان بھی چلا جاتا ہے، جبکہ مسلمان باطل اور کفر کا مقابلہ صرف ایمانی طاقت سے ہی کر سکتے ہیں۔ افغان طالبان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ انسانی تاریخ کی ایک ایسی منفرد جنگ تھی، جس میں طاقت کا اتنا بڑا عدم توازن دیکھا گیا کہ ساری دنیا کی طاقتیں جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس ہو کر نہتے افغان طالبان کے خلاف صف آراء ہوئیں اور سترہ سالہ پیہم جنگ کے بعد گھٹنے ٹیک کر ان سے امن معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئیں۔ یہ صرف اور صرف ایمانی طاقت سے ممکن ہوا ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ مغرب کی ہر طرح کے یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم اپنی ذاتی زندگی، گھر اور معاشرے میں اسلام کے نفاذ کی جدوجہد کریں۔

ڈاکٹر محمد عارف صدیقی: (معروف موٹیویشنل سپیکر و تجزیہ کار) گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے اسلام دشمن قوتیں کبھی کھلے عام اور کبھی نقب لگا کر ہم پر حملہ آور ہیں۔ لبرل ازم اور سیکولرازم کے دلفریب نعرے ہماری حمیت اور غیرت پر حملہ ہیں۔ نظام تعلیم کے نام پر نوجوانوں کے اذہان کو بدلا گیا۔ مغرب کے پیمانے کو حق و باطل کا پیمانہ قرار دیا گیا، کلچرل شو کے نام پر بے حیائی کو پروان چڑھایا جا رہا ہے، فیشن انڈسٹری کو دوام بخشنے کے لیے حیا کا جنازہ نکالا جا رہا ہے، عورت مستور تھی، اسے غیر مستور کر دیا گیا ہے۔ ہمارے اور مغرب کے درمیان فرق صرف اجتماعیت کا ہے۔ ہمارا معاشرہ اجتماعیت کی تصویر ہے۔ ہمارا مذہب اجتماعیت کو مضبوط اور قائم رکھنے کی تلقین کرتا ہے اور اسی میں ہماری طاقت اور بقاء ہے جبکہ مغرب ہماری اجتماعیت کو ختم کر کے سیاسی اور معاشی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ہمارا لبرل طبقہ اور این جی اوز جس عزت نسواں کی بات کرتے ہیں، وہ دراصل ذلتِ نسواں ہے، وہ ان خوشنما نعروں کے ذریعے عورت کی عصمت اور حیا کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

شجاع الدین شیخ: (نائب ناظم تعلیم و تربیت) مغربی تہذیب سے مراد وہ تہذیب ہے، جس نے عقل کو معیار بنا کر وحی الٰہی کا انکار کیا۔ یہ عقل پرستی کا فتنہ ہے، جس میں خالق کے مقابلے میں مخلوق کو اہمیت دی جاتی ہے، اسلام نے مرد کو تکریم دی تو عورت کو بھی تکریم دی۔ عورت کو علم، مرضی کا نکاح، وراثت، ملکیت، حق مہر، نان ونفقہ اور رائے دینے کا حق دیا گیا ہے۔ اب اس کے علاوہ اور کس حق کی بات کی جا رہی ہے؟ اسلام نے عورت پر معاش کی ذمہ داری نہیں ڈالی، سرمایہ دار ہوس کا پجاری ہے وہ جذبات کو ابھارنے اور اپنی پروڈکٹ بیچنے کے لیے عورت کو استعمال کر رہا ہے۔ عورت کو آزادی کا نعرہ دے کر غلام بنایا جا رہا ہے، انسان محبت چاہتا ہے، کیا ڈے کیئر ماں کی ممتا کی محبت دے سکتی ہے؟ کیا اولڈ ہومز کا تنخواہ دار سٹاف بچوں کا پیار اور عزت دے سکتے ہیں؟ اسلام کا نظام فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ مغرب نے ان تقاضوں سے بغاوت کا راستہ اختیار کیا تو آج اپنے تباہ حال معاشرتی نظام کو بچانے کے لیے اسے دوبارہ گھر بنانے اور بسانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ اب تو مغربی معاشرے میں مردوں کے حقوق کی بات چل پڑی ہے، خاندان فطری ضرورت ہے۔ مرد کو بہر حال عورت، بچوں اور خاندان کی ضرورت ہے، ہم مغربی معاشرے کا اسلام کے مثالی نظام سے موازنہ تو کرتے ہیں لیکن خود عملی طور پر اسلام کے عادلانہ نظام کو اپنی زندگی اور معاشرے پر نافذ کرنے کی جدوجہد نہیں کرتے۔ حیا اور ایمان لازم وملزوم ہیں، حیا محفوظ رہے گی تو ایمان بھی محفوظ رہے گا، اگر ایک رخصت ہو جائے تو دوسرا بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

اوریا مقبول جان: (معروف کالم نگار و تجزیہ کار) آج کا دن شکر کا دن ہے، آج کا دن اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، امت مسلمہ نے یہ دن بڑے عرصے کے بعد دیکھا ہے، یہ منظر اب ہم سے غائب ہو گئے ہیں، 48 ممالک کی افواج ایک طرف تھی، کوئی ایک مسلمان ملک بھی افغان مجاہدین کا حامی نہ تھا، اپنے بھی مخالف تھے اور غیر بھی مخالف۔ بڑے بڑے لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے تھے مگر آج اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سچ ثابت ہو گیا ہے کہ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہوئے۔ اس عظیم نعمت پر ہم سب اجتماعی شکر ادا کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہم علامات کا علاج کرتے ہیں مگر مرض کی جڑ کو نہیں پکڑتے، عورت کو شمع محفل بنانے کے پیچھے تین سو سال کی محنت ہے۔ عورت کو مردِ میدان بنا کر پیش کیا گیا، عورت کو مردِ میدان بننے پر تمغہ دیا جاتا ہے، مغرب نے عورت کی آزادی کے نام پر عورت کو بدترین غلامی اور ذلت میں دھکیل دیا ہے۔ ہماری معاشرتی اقدار کو تہس نہس کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ مغربی نظام تعلیم ہے۔ جب تک ہم اپنے نظام تعلیم کو اللہ کے دین کے تابع نہیں کریں گے، ہم اپنے معاشرے اور خاندانی نظام کو تباہی سے نہیں بچا سکتے۔

ایوب بیگ مرزا: (مرکزی ناظم نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی پاکستان) اسلام کے عادلانہ نظام کے نتیجے میں حقوق و فرائض کو سامنے رکھ کر جو مساوات قائم کی جائیں گی، وہی مبنی برحق ہوں گی، تمام انبیاءؑ مرد ہی ہوئے ہیں، عورت نبی بنتی نہیں بلکہ نبی جنتی ہے، نیکی کے معاملات میں مرد و زن کو برابری کے حقوق حاصل ہیں۔ اسلام نے عورت کو جتنے حقوق دیے ہیں، کسی اور مذہب یا نظام نے نہیں دیے۔ اسلام میں ماں کا درجہ باپ سے تین گنا زیادہ ہے جبکہ مغرب نے آزادی کے نام پر عورت کو گھر سے نکال کر اس پر بدترین ظلم کیا۔ جب مرد عورت کے دائرے میں اور عورت مرد کے دائرے میں دخل اندازی کرے گی تو اس سے معاشرہ تتر بتر ہو جائے گا اور جنگل کے جانوروں جیسا ماحول پیدا ہو جائے گا۔ ہمارا میڈیا اور حکومتیں فحاشی کو فروغ دے رہی ہیں، اگر ہم ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کر دیں تو استحصالی نظام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مغرب ہمارے خاندانی نظام پر حملہ اپنے سرمایہ دارانہ نظام کو بچانے کے لیے کر رہا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر اجتماعیت ختم ہو گئی تو اسلامی نظام کبھی بھی نہ آ سکے گا۔ امیر محترم حافظ عاکف سعید کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید ﷾ کا دورہ فیصل آباد

23 فروری 2020ء کو صبح 10 بجے امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید ﷾ اپنے سالانہ دورے پر قرآن اکیڈمی فیصل آباد پہنچے۔ رفقاء پہلے ہی قرآن اکیڈمی پہنچ چکے تھے۔ تقریب کا آغاز حلقہ کے ناظم تربیت اور سٹیج سیکرٹری محمد ارشد کی تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا۔ اس کے بعد امیر حلقہ ملک احسان الٰہی نے اپنے معاونین، امراء مقامی تناظیم اور نقباء، منفرد اسرہ جات کا تعارف کرایا۔ پھر مقامی امراء نے اپنے نقباء کا تعارف امیر محترم کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد نئے شامل ہونے والے رفقاء کا تعارف ہوا۔ خوش آئند بات یہ رہی کہ قرآن اکیڈمی کے طلبہ میں سے ایک بڑی تعداد نے تنظیمی فکر کو سمجھ کر اس قافلے میں شمولیت اختیار کی۔ سوال وجواب کی نشست کے بعد بیعت مسنونہ کا بھی اہتمام تھا۔ نماز ظہر سے قبل کھانا اور بعد از نماز رکن شوریٰ کے لیے رائے شماری ہوئی۔ آخر میں امیر محترم نے سوالات کے جوابات دیئے اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔ (رپورٹ: رفیق تنظیم)

حلقہ سرگودھا کے زیر اہتمام سہ ماہی تربیتی اجتماع

28 دسمبر 2019ء کو بعد نماز مغرب تا 29 دسمبر 2019ء کی صبح 10:30 بجے تک مسجد بیت المکرم میانوالی میں تربیتی اجتماع کا انعقاد کیا۔ اس پروگرام جس میں میانوالی، جوہر آباد اور سردھا سے مجموعی طور پر 37 رفقاء اور 25 احباب نے شرکت کی۔ پروگرام کی تفصیل کچھ اس طرح تھی۔

1۔ خصوصی خطاب ''فرائض دینی کا جامع تصور'': اس موضوع پر نائب امیر حلقہ فیصل آباد جناب نعمان اصغر نے تفصیلی لیکچر دیا۔ انہوں نے ایک عام فرد کی انفرادی عبادات اور اجتماعی ذمہ داریوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

2۔ مطالعہ لٹریچر: نماز عشاء اور کھانے کے بعد بانیٔ محترمؒ کے کتابچے تعارف تنظیم اسلامی کے حصہ دوئم (عقائد یا بنیادی دینی تصورات) کا مطالعہ نور خان نے کروایا۔ کتابچے کی کاپیاں بھی تمام شرکاء کو مہیا کی گئیں۔ یہ اجتماعی مطالعہ رات ساڑھے نو بجے تک جاری رہا۔
صبح 4:45 پر تمام رفقاء کو بیدار کر دیا گیا۔ رفقاء نے نماز تہجد و تلاوت قرآن کا اہتمام فرمایا۔ اور نماز فجر کی ادائیگی سے آدھا گھنٹہ قبل دعائے حاجات اور دعائے استخارہ کے حفظ کا اہتمام کیا۔ آذان فجر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

3۔ درسِ قرآن: نماز فجر کی ادائیگی کے بعد تنظیم سرگودھا شرقی کے امیر محمد گلباز نے سورۃ الحدید کی آیات 21 تا 24 کا درس دیا۔

4۔ درسِ حدیث نماز اشراق اور ناشتہ کے بعد درس حدیث ہوا۔ منفرد اسرہ جوہر آباد کے رفیق جناب یاسر ضیاء نے موضوع اکل حلال کی اہمیت پر درس دیا۔

5۔ حالات حاضرہ کے پروگرام زمانہ گواہ ہے میں موضوع ''تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور حافظ عاکف سعید کی بذریعہ ملٹی میڈیا رفقاء کو سماعت کروائی گئی جس کو سماعت کے بعد رفقاء نے اپنے تاثرات میں فرمایا کہ اُن کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے بہت سے سوالات کے جوابات اس پروگرام کے ذریعے انہیں مل گئے ہیں۔

اختتامی کلمات: آخر میں امیر حلقہ نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور خصوصی طور میانوالی کے ذمہ داران کا بھی شکریہ ادا کیا جنہوں نے تمام رفقاء کے لیے سہولیات فراہم کیں۔ اس کے علاوہ تربیتی کورسز سے جو ایمانی کیفیات حاصل ہوتی ہیں اُن کا ذکر فرمایا اور مسنون دعا کے ساتھ مجلس کا اختتام فرمایا۔ (رپورٹ: محمود عالم، معتمد حلقہ)

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ
اور مکتبہ خدام القرآن کی دیگر کتابوں پر مشتمل
موبائیل فون ایپلیکیشن گوگل پلے سٹور پر میسر ہے
Tanzeem Digital Library
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے
حافظ عاطف وحید
شعبہ تحقیقِ اسلامی
مرکزی انجمن خُدّامُ القُرآن
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر ہاشمی فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم ایم فل کے لیے دینی مزاج کے حامل، ہم پلہ، برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0300-4009979

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ دعائے مغفرت

☆ امریکہ میں مقیم رفیق تنظیم اسلامی جناب سید مشرف حسین کے والد وفات پا گئے۔

☆ حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی، نوشہرہ کے رفیق محترم حامد حسین کے چھوٹے بھائی وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0333-9164833

☆ تنظیم اسلامی ممتاز آباد کے رفیق فرقان عباس کے چچا وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0307-7580475

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔
قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَاَدْخِلْهُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُمْ حِسَابًا يَّسِيْرًا

Message of Esteemed Amir ul Mumineen, Sheikh-ul-Hadith Mawlawi Hibatullah Akhundzada (HA), regarding Termination of Occupation Agreement with the United States

Date: February 29, 2020

In the name of Allah, the Most Merciful, the Most Compassionate

Allah is the Greatest, praise be to Allah in abundance, and glory be to Allah at the beginning and end of day.

Praise be to Allah, He fulfilled His promise, Helped His slave, Strengthened His forces and He alone defeated the Ahzab (confederates). And peace and blessings be upon the one whom has no prophet after him and, on his descendants and companions who spread his religion:

On the 7th of October 2001 after the allied forces led by America transgressed against our homeland, the Islamic Emirate representing the Afghan nation, with the Divine Help of Allah (SwT), finally reached an agreement about the termination of occupation of Afghanistan following nearly nineteen years of Jihad and struggle.

This victory is the collective victory of the entire Muslim and Mujahid nation – of our fellow brothers and sisters who presented monumental and extraordinary sacrifices of life and wealth for nearly two decades.

The accord about the complete withdrawal of all foreign forces from Afghanistan and never intervening in its affairs in the future is undoubtedly a great achievement.

The Islamic Emirate extends its heartfelt felicitation to all strata of society specifically to the Mujahideen, the families of martyrs, the imprisoned, wounded, maimed, displaced and the nation as a whole on the occasion of this tremendous accomplishment and considers this great victory a product of Divine Help of Allah, the heroics of Mujahideen and the sincerity, efforts, struggles and sacrifices of its nation.

Following this great achievement, I wish to turn the attention of Mujahideen and the entire nation to these points concerning the forthcoming state of affairs:

– This accord with the United States about the termination of occupation that shall deliver our people from subjugation is a significant milestone and a special Beneficence, Help and Reward from Allah (SwT). Therefore, we must not label this accomplishment the work of a particular individual or group but consider it a Reward from Allah and the product of the sacrifices of the entire Mujahid nation.

– The agreement between the Islamic Emirate and United States drafted in compliance with Islamic principles and conforming with International standards is a pledge that must be honored by all Mujahideen and Afghans. No official or individual of the Islamic Emirate nor anyone from the general public must violate these terms and everyone must deem it an obligation because Islam does not have any room for treachery and deceit and classifies such an act a great sin. However, if the other party does oppose or violate the agreement then the entire nation must maintain robust defense capabilities.

– The believing Afghan nation specifically the Mujahideen must thank Allah (SwT) for the achievements gained and must commit themselves even further to Taqwa (fear of Allah),

themselves even further to Taqwa (fear of Allah), truthfulness and sincerity while strictly refraining from arrogance, pride, superiority and meritorious behavior because such things are in conflict with the spirit of Jihad and victory.

– Successful negotiations with the United States prove that solutions can be found for all seemingly complex issues. The success of these negotiations relays a message from the Islamic Emirate to all internal actors that we are ready for a rational and just solution. Come, let us find a solution to our problems in light of the religious and national values of our people and let the Kabul administration end its opposition towards this nation.

– The Islamic Emirate believes in maintaining positive bilateral relations with the world and especially with the regional countries and is committed to the principle of good neighborly relations with its neighbors.

– We assure our oppressed people that all male and female compatriots shall be given their due rights under the shade of a just and true Islamic government.

– Anyone who partook in hostilities against the Islamic Emirate or anyone with reservations about the Islamic Emirate is forgiven and pardoned for all past actions and we seek for them Islamic brotherhood, national unity and a prosperous life.

– The Islamic Emirate shall work towards providing quality (religious and scientific) education, employment, trade opportunities, development and growth in all public sectors because this is the basic right of all Afghans and a fundamental need for our national progress, prosperity and wellbeing.

– The Mujahideen of Islamic Emirate must further solidify, organize and bolster their ranks so that they can attain their objective of establishing an Islamic government and bringing prosperity to their fellow brethren following the end of occupation while simultaneously preventing future unfortunate events, protecting Islamic government, maintaining combat readiness against all potential threats to peace and security and being at the service of people.

– The Islamic Emirate calls on the all strata of our faithful nation – the noble scholars, tribal elders, spiritual leaders, intellectuals, teachers, students and the general public to preserve their unity and cooperation in finding solutions to our domestic issues just as they worked diligently with their Mujahideen brothers in ending the occupation so that this phase also attains success and Afghanistan is blessed with peace and a just Islamic government.

– To end, I express my gratitude to the state of Qatar and its honorable Emir – Sheikh Tamim bin Hamad Al Thani – for facilitating these negotiations and earnestly aiding this process. I also thank and extend best wishes to the states of Pakistan, Uzbekistan, China, Iran, Russia, Indonesia, Turkmenistan, Kyrgyzstan, United Arab Emirates and all others that helped in this process.

Leader of the Islamic Emirate of Afghanistan
Amir-ul-Mumineen Sheikh-ul-Hadith Mawlawi Hibatullah Akhundzada
05/07/1441 Hijri Lunar
10/12/1398 Hijri Solar
29/02/2020 Gregorian

Courtesy:
http://alemarahenglish.com/?p=33121

ضرورت ہے

مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور کے شعبہ سمع و بصر کو ایک "واٹس ایپ براڈ کاسٹ منیجر" (WhatsApp Broadcast Manager) کی ضرورت ہے۔ امیدوار کو WhatsApp Broadcast اور Managing Contact کا وسیع تجربہ ہو۔ انگریزی زبان پر عبور اضافی قابلیت تصور ہوگی۔ تنظیم اسلامی کے رفیق کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0300-9479584

Vol. 29 **Regd. C.P.L NO. 114** **No.10**

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore